THE
PASBAN MONTHLY
ALLAHABAD
کلیر شریف
الہ آباد
ایڈیٹر
سالانہ
مشتاق احم
لہ آباد
روپے

ماہنامہ پاسبان

زیر سرپرستی

مجاہد ملت قائد اہلسنت حضرت مولانا الحاج شاہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب

رئیس اڑیسہ بانی دار العلوم جامعہ حبیبیہ و صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت الہ آباد

ہندوستان و پاکستان کا شہرہ آفاق تاریخی مذہبی ادبی اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

پاسبان

الہ آباد

جو تھا قافلہ مسلمان اکرم کارواں کا
مشتاق تھا زمانہ ملت کے پاسباں کا

فیض حبیب حق سے بظاہر نظام پایا
یا رب تو پاسبان رہ امت کے پاسباں

قیمت سالانہ
پانچ روپے ۵

فی پرچہ
آٹھ آنے

ادارہ تحریر

سید عبد الحق قادری — سید اکبر حسینی آرزو — سید ابو الفرح رجبتی

عبد المنان مبارکپوری

دفتر پاسبان۔ دائرہ شاہ اجمل ۲۲۵ الہ آباد ۳

انوار احمد نظامی پرنٹر پبلشر نے اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپوا کر دفتر پاسبان سے شائع کیا۔

ماہنامہ الہ آباد

جلد نمبر ۱ پاسبان شمارہ نمبر ۱

ماہ دسمبر ۱۹۵۲ء

عظمت مصطفےٰ کا علمبردار	سلطنت مصطفےٰ کا [illegible]
اصحاب رسول کا مداح	اہلبیت اطہار کا شیدا
اولیاء اللہ کا فدائی	شہنشاہ بغداد کا پر[illegible]
سرکار اجمیر کا دیوانہ	پیران کلیر کا مسـ[illegible]
مذہب اہلسنت کا محتسب	عقائد حقہ کا مبـ[illegible]
علوم دینیہ کا ناشر	زبان اردو کا محا[illegible]
علمائے اہلسنت کا شہکار	مسلمانوں کا بیباک [illegible]
مسلمانوں کا بیباک	ونڈر ترجمان
آل انڈیا تبلیغ	سیرت کا آرگن

پاکستان میں

جو حضرات پاسبان کے خریدار ہونا چاہتے ہیں وہ اپنا زرچندہ پاکستان میں مبلغ ۵ھہ مندرج ذیل پتہ پر بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں اور ڈاکخانہ کی رسید دفتر پاسبان دائرہ شاہ اجمل ۲۲۵ الہ آباد ۳ یو۔پی کے پتہ پر روانہ فرمائیں ان کے نام پاسبان جاری کر دیا جائیگا۔

پتہ۔ حضرت مولانا ظفر علیصاحب پرنسپل دار العلوم امجدیہ فیروز شاہ اسٹریٹ۔ آرام باغ۔ کراچی۔

آسانی سے حاضر ہوں گا بشرطیکہ آپ یہ دیکھیں (پاسبان)

اگرچہ پاسبان کا دوسرا سال چل رہا ہے مگر ابتک ہم نے ان پاسبان حضرات سے جن کا سالانہ چندہ ختم ہو چکا ہے سال رواں کا سالانہ چندہ روانہ کرنے کا تقاضا شروع نہیں کیا چونکہ دو تین اڈیشن کا ناغہ ہو جانا اور پھر دفتر کے منتقل کرنے کے اسباب بغرا ہم کرنا یہ ایک ایسی گوناگوں الجھنیں تھیں جس سے ہم خاموش رہے۔ اب ہم ان پاسبان نواز حضرات سے گذارش کریں گے جنھوں نے اگست یا ستمبر ۱۹۵۲ء سے اپنے نام رقم روانہ کر کے پرچہ جاری کروایا تھا سال رواں کا سالانہ چندہ بذریعہ منی آڈر روانہ فرمادیں یا ہمیں اس بات کی اجازت دیں کہ بذریعہ وی۔ پی ہی رقم وصول کر لیا جائے۔ ادارہ کی طرف سے سال رواں کے سالانہ چندہ کے لئے کارڈ بھی حاضر کیا جا رہا ہے جس کے جواب میں خریداری قبول یا عدم قبول کا تحریر کرنے کے لئے ضروری ہوگا ورنہ ادارہ جنوری کا پرچہ جو غوث رضی اللہ عنہ سے متعلق ہوگا۔ بذریعہ وی پی روانہ کریگا جس وصول کرنا آپ کا اخلاقی اور مذہبی فرض ہوگا۔

ہمیں اس چیز کا افسوس اور صد افسوس ہے کہ دو تین اڈیشن پرچہ ناغہ ہو گیا جس سے ہمارے بعض پاسبان نواز حضرات ہم سے برہم اور شاکی بھی ہیں ہمیں یقین ہے کہ خدا نے چاہا تو اس کی نوبت ہی نہ آ[illegible]

(مینیجر پاسبان)

اعلان

مستفتی حضرات اپنا استفتاء بھیجتے وقت خریداری نمبر حوالہ ضرور دیں ورنہ ادارہ جلد عدم جواب پر معذور ہوگا۔

(مینیجر)

سلام ببارگاہ حضرت خیرالانام شافع یوم القیام صلی اللہ علیہ وسلم

مداح رسول فخر القرا حضرت مولانا قاری مجیب الرحمٰن صاحب

یا نبی سلام علیک : یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک : صلوات اللہ علیک

آپ کی تاریخ بارہ : غوث اعظم کی ہے گیارہ : نجدیوں کا دل ہے پارہ : صلوات اللہ علیک
مالک و مختار تم ہو : سید ابرار تم ہو : رحم کے انبار تم ہو : صلوات اللہ علیک
مالکِ کونین سرور : کردیا خلاق اکبر : ہو درودوں کی نچھاور : صلوات اللہ علیک
امتِ عاصی تمہاری : کر رہی ہے آہ وزاری : کچھ نہیں نیکی ہماری : صلوات اللہ علیک
ہے گنہ کا بوجھ بھاری : ڈوبے ہے کشتی بچاری : لو خبر اب تو ہماری : صلوات اللہ علیک
رحمت اللعالمین ہو : تم شفیع المذنبیں ہو : زینت عرش بریں ہو : صلوات اللہ علیک
یا غیاث العالمینا : شاہ دیں شاہ مدینا : تھامیے اب تو سفینا : صلوات اللہ علیک
ہند سے طیبہ بلاؤ : درد فرقت کا مٹاؤ : اپنی الفت میں لگا دو : صلوات اللہ علیک
خواب میں جلوہ دکھاؤ : سوتی قسمت کو جگاؤ : اپنا دیوانہ بناؤ : صلوات اللہ علیک
آپ کی چوکھٹ جو پاؤں : اپنی آنکھوں سے لگاؤں : حال دل رو رو سناؤں : صلوات اللہ علیک
ہے تمنا جا کے در پر : سر کو رگڑوں میں برابر : دم نکل جائے وہیں پر : صلوات اللہ علیک
جاں میری جو وقت جائے : روئے زیبا نظر آئے : ورد لب میرے یہ آئے : صلوات اللہ علیک
عرصۂ محشر میں آنا : اپنے سینہ سے لگانا : بے کلی دل کی مٹانا : صلوات اللہ علیک
اے مرے آقا و سرور : جب کھلے عصیاں کا دفتر : آپ کا دامن ہو سر پر : صلوات اللہ علیک
حشر میں آکر بلانا : ہاتھ سے کوثر پلانا : اپنے دامن میں چھپانا : صلوات اللہ علیک
میں چلوں گا پیش داور : غوث کا دامن پکڑ کر : سب کہیں گے خوش یہ ہو کر : صلوات اللہ علیک
دیں کے دشمن وہابی : کرتے ہیں ہر دم شتابی : کیجیے ان کی خرابی : صلوات اللہ علیک
نرغۂ ظالم سے آقا : اہل سنت کو بچانا : ہے مدد کا وقت آقا : صلوات اللہ علیک
قادری خادم تمہارا : پھر رہا ہے مارا مارا : لو بلا در پہ خدارا : صلوات اللہ علیک
رحمت عالم بچارا : کیا کہے کس سے بچارا : ہے فقط تم پہ سہارا : صلوات اللہ علیک
اس مجیب قادری پر : غوث کا صدقہ کرم کر : کیجیے امداد آکر : صلوات اللہ علیک

نوٹ: قارئین کرام سے التجا ہے کہ اگر اسکو پڑھا کریں تو بوقت قیام میلاد پاک پڑھا کریں اور اس فقیر کو دعائے خیر میں یاد کیا کریں۔ عین نوازش ہوگی۔

(ملا محمد مجیب الرحمٰن القادری غفرلہ)
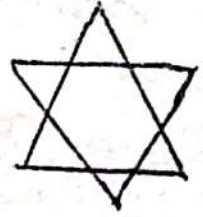
ہمارے اعلان کے مطابق آج آپ کے ہاتھوں میں رسول نمبر کا وہ حسین دیدہ زیب اعلیٰ مضامین سے آراستہ آنکھوں کو چکا چوندھ کر دینے والا رسالہ پاسباں کا ہوتا جس کے صفحات سوا سو سے قریب پر مشتمل ہوتا مگر دفتر کی تبدیلی سے کچھ اس طرح کے علل و اسباب سے دوچار ہونا پڑا جس کا وہم گمان تک ذہن کو پھٹکنے نہیں دیتا تھا خیال تھا دفتر الہ آباد منتقل کرنے کے بعد فوراً ہی وہ تمام ضروریات جس پر پرچہ کی کیشوع کا دارومدار ہے مہیا کر لوں گا۔ مگر خواب بے تعبیر نکلا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ الہ آباد میرے لئے اک نئی دنیا ہوگی چنانچہ ڈکلریشن فارم وغیرہ حاصل کرنے میں جتنی آسانیاں ہمارے لئے بمبئی میں تھیں اس کا ایک گونہ بھی یہاں آکر نصیب نہ ہوا۔

ادھر استاد محترم حضرت مولانا مشتاق صاحب نظامی اڈیٹر پاسباں مدظلہ العالی کو احباب بمبئی و برہانپور کے بیجا روک تھام سے بمبئی۔ برہانپور مالیگاؤں۔ بھمڑی کھنڈوں کے اجلاسوں میں شرکت کی غرض سے رک جانا پڑا اب حضرت مولانا موصوف کی عدم موجودگی۔ کاتب سے معاملات۔ ڈکلریشن فارم حاصل کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کاپی اور پروف کی تصحیح اور دفتر کے فرنیچر وغیرہ کا ٹھیک ٹھاک پریسوں سے معاملہ فہمی پھر رجسٹرڈ نمبر حاصل کرنے کی جدوجہد وغیرہ وغیرہ غرضکہ ایسے ہی اس قسم کے بکھرے ہوئے حواشی کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک نومبر کی ۲۲ تاریخ آگئی اور اڈیٹر پاسباں کی تقریری پروگرام سے واپسی نہ ہوئی اور نہ شذرات ہی موصول ہوا البتہ حضرت موصوف نے مجاہد ملت کے سفر بغداد پر کچھ قلم بند فرمایا ہے جو ہدیہ ناظرین کر دیا گیا ہے اور نیز مولانا موصوف نے اس امر پر اظہار افسوس فرمایا ہے کہ یہ میری بدنصیبی ہے جو میں پاسباں الہ آباد کی پہلی اڈیشن میں اپنی پریشانیوں اور وقتی نزاکت کا اظہار خیال نہ کر سکا۔

چنانچہ مولانا موصوف کو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی ادارہ اسی جذبہ و امنگ کے ماتحت کہ ہم اپنے ناظرین کرام کو ایک ایسے نایاب اور گرانمایہ مضامین سے آراستہ و دیدہ زیب رسول نمبر ہاتھ میں دیں گے جواب تک ہندوستان و پاکستان کے کسی ادارے کے خواب و خیال میں تک نہ آیا ہوگا۔ منہمک رہا۔ لیکن جب ۲۲ نومبر کی دھندلی شام نے ہم سے آکر اس کی سرگوشی کرنا شروع کر دیا کہ اس سال مرضی مولانا نہیں ہے تو ایکدم مایوسی طاری ہو گئی اور رسول نمبر کا خیال چھوڑ دینا پڑا!! اور اس پرچہ کی تیاری ہونے لگی جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

آپ کا نیاز کیش
الوار احمد نظامی

مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے مجاہد ملت کی روانگی

یہ خبر یقیناً بڑی مسرت سے پڑھی جائیگی کہ ادارہ پاسبان کے سرپرست اور آل انڈیا تبلیغ سیرت کے صدر مجاہد ملت الحاج حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب قبلہ مدظلہ العالی مقامات مقدسہ (بغداد شریف کربلا معلی وغیرہ) کی زیارت کے سلسلے میں ۱۵ نومبر کو اپنے وطن مالوف سے ہزاری باغ گیا۔ الہ آباد وغیرہ ہوتے ہوئے ۲۰ نومبر کو کاشی اکسپریس سے بغداد مقدس کے لئے بمبئی روانہ ہو گئے۔ حضرت کی یہ وہ دیرینہ تمنا تھی جسے میں نے عرصہ دراز تک خدمت اقدس میں خادم رہکر یہ محسوس کر سکا ہوں کہ صدر محترم نے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد ہی اپنے دل میں سرکار بغداد کے نورانی بقاع مبارکہ کے دیدار کی تڑپ رکھتے تھے۔ یوں تو مجاہد ملت کو مختلف سلاسل بزرگان۔ مثلاً سہروردی، چشتی، نقشبندی سے اجازتیں حاصل ہیں مگر جو والہانہ لگاؤ آپ کو سلسلہ قادریہ سے ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو حضرت کی صحبت سے دوچار ہونے کا موقع پا چکا ہو۔

اس سفر کی دشواریاں اور آسانیاں دونوں کی جھلک حضرت موصوف کی متعدد تحریروں سے نظر آتی ہے یہ صحیح ہے کہ بغداد مقدس کی جانب طبعی رجحان حضرت کا عرصہ دراز سے موجزن تھا۔ بار بار تذکرے آئے۔ کبھی کبھی ہلکے ارادے بھی ہوئے مگر وینیات کا بار حضرت کے اس مبارک سفر کے لئے مانع ہوتا رہا اسی دوران میں حضرت مفتی اعظم مولانا عبد القدیر صاحب بدایونی سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی۔ حضرت مفتی اعظم صاحب موصوف سالہا سال سے حاضری کا شرف رکھتے تھے۔ ادھر صدر محترم کا بغداد مقدس کی زیارت کے لئے والہانہ رجحان۔ ادھر حضرت مفتی اعظم مولانا عبد القدیر صاحب بدایونی کا مقام مقدسہ کا تذکرہ غرضکہ دونوں چیزیں مل کر دونوں کے لئے عزم صمیم کا سبب بن گئیں اب مستقل ارادہ ہوگیا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد مختلف مقامات کی دینی گونا گوں ضروریات نے مجاہد ملت کو کچھ اس طرح الجھا دیا جس سے توقع و امید کی رشتہ کی کڑی ٹوٹتی ہوئی نظر آنے لگی اور سفر مبارک کے مقدس مسافر کے لئے عدم سفر کے لئے علل و اسباب نمودار ہونے لگے۔

چنانچہ ایک طرف پاسپورٹ وغیرہ کی دشواریاں اور دوسرے عین وقت پر حضرت کی والدہ محترمہ مدظلہا کی شدید علالت دونوں مل کر اس طرح سدراہ ہوگئیں جس سے مایوسی طاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ حضرت کے دو رفیق سفر حضرت قاری الحاج مولانا عبد الرب صاحب مہتمم دار العلوم جامعہ حبیبیہ اور رئیس الہ آباد جناب حاجی عظیم اللہ صاحب دونوں صدر محترم کے بغیر بمبئی کو بغداد مقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوگئے۔ صدر محترم نے جو خط لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو بزرگان دین خصوصاً حضور غوث الثقلین قطب کونین سید الافراد سلطان بغداد حضرت شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنا اعتقاد اور قلبی تعلق ہے فرماتے ہیں عزیزم عین وقت پہ والدہ محترمہ مدظلہا کی شدید علالت اور پاسپورٹ وغیرہ کی وجہ سے کوئی امید نہیں تھی کہ میں اپنے آقا سید الثقلین غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کے دربار گرامی کی حاضری دے سکوں گا۔ مگر واہ رے میرے آقا کہ ان کی ذرہ نوازیوں اور توجہات کی برکات سے ساری دشواریاں آسانیوں سے بدل گئیں۔ پاسپورٹ وغیرہ میں بھی سہولت اور والدہ محترمہ مدظلہا کی طبیعت قابل اطمینان رو بصحت ہو چکی ہیں۔ انشاء اللہ العزیز ۱۵ نومبر کو ٹھیک لگا کر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔

مجاہد ملت کو سلسلہ قادریہ سے عقیدتمندی

ہیں اپنی لیستی اور حضرت کی عقیدت مندانہ بلندی کا انداز روز روشن کی طرح اس سے بھی ہوتا ہے کہ سرزمین الہ آباد بہار اور بزرگان دین کے مزار مقدس میں اس میں شہنشاہ بغداد کے خلفاؤں میں سے ایک خلیفہ حضرت اقدس منور علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس ہے جن سے سلسلہ معمر یہ جاری ہے۔ حضرت مجاہد ملت کے یہ معمولات میں سے ہے کہ اپنی آمد و رفت دونوں وقتوں میں حضرت کے مزار مقدس پر حاضری دیا کرتے ہیں۔

چنانچہ اس مرتبہ عجب اتفاق ہوا کہ آمد کی حاضری تقریباً چار بجے شام کو کھی اور روانگی کا وقت تقریباً آٹھ بجے تھا مجاہد ملت نے ایک حاضری پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سلسلہ قادریہ کے غلبے نے بغیر اس مزار مقدس پر حاضری کے روانگی کی اجازت نہیں دی چنانچہ پھر حضرت عین اسوقت حاضر ہوئے جبکہ ٹرین کھلنے میں اتنا ہی وقت تھا کہ ٹرین پر سوار ہو کے چند ہی منٹ بعد ریل نے روانگی کی سیٹی دیدے۔

ٹرین نے اپنے وقت پر سیٹی دیا۔ مجاہد ملت کے عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر اسٹیشن پر موجیں مار رہا تھا اللہ اکبر کے نعروں سے پلیٹ فارم گونج رہا تھا۔ اور نعرہ رسالت کی صداؤں کے ساتھ مجاہد ملت گنبد خضرا میں آرام فرمانے والے سے سیدنا غوث الثقلین قطب کونین شہنشاہ بغداد حضرت شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار گرامی میں حاضری کے لئے استمداد و استعانت چاہی اور صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا اور پھولوں کے ہار زم زم قادری کے گل شگفتہ کے گلے سے لپٹ لپٹ کر مبارک سفر کے مبارک مسافر کچھ دور تک پہونچانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ ادھر حضرت مفتی اعظم مولانا عبد القدیر صاحب بدایونی کا جہاز ۲۰ ربیع الاول شریف کو روانہ ہونے والا تھا جس میں عقیدت و محبت میں ڈوبا ہوا ایک قافلہ عازم سفر تھا مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ادارہ پاسباں کے سرپرست آل انڈیا تبلیغ سیرت کے صدر مجاہد ملت الحاج حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ مدظلہ العالی اس جہاز سے روانہ نہیں بلکہ ۲۵ نومبر والے جہاز سے روانہ ہو سکینگے تو ان کی غیرت الفت نے اس کی اجازت نہیں دی کہ شیدائے شاہ بغداد کو میں چھوڑ کر تنہا روانہ ہو جاؤں۔ اس لئے انھوں نے پھر اپنے سفر کو ۲۵ نومبر تک کے لئے ملتوی کر دیا۔

ادارہ پاسباں کا پورا عملہ بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ باری تبارک و تعالیٰ اس پورے قافلہ کو امن امان کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے اور ہم غلاموں کے نصیب کو بھی یہ موقع عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

منیجر پاسباں کو مجاہد ملت کی مخلصانہ ہدایات

مجاہد ملت ۱۹ نومبر ۱۹۵۴ء کو دلی میل سے الہ آباد تشریف لائے ہیں دفتر کے اہم ضروریات کے بنا پر پریس اور ڈاک میں مصروف رہا۔ دن بھر حضرت کے شرف ملاقات سے مشرف نہ ہو سکا جس کا بیحد افسوس رہا۔ شام کو جب میں اپنی مصروفیت سے فارغ ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ اسٹیشن پہونچکر میں قدم بوس ہوا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بھائی جہاں جہاں میں جاتا ہوں لوگ پاسباں مشتاق ملتے ہیں تم پاسباں روانہ کرنے میں کیوں سستی سے کام لیتے ہو لوگوں کی شکایتیں ہیں اس جانب بہت ہی توجہ کرنا چاہئے۔ میں ان لوگوں کو یقین دلا کر آیا ہوں کہ دفتر پہونچکر منیجر پاسباں کو تاکید کر دوں گا۔ آج میں اس وعدہ سے سبکدوش ہو رہا ہوں تم اس کو ایک ضروری اور اہم تاکید سمجھو۔

میری آغوشِ تصور میں مدینا آیا

(ناخدائے سخن فصیح العصر تاج الشعرا حضرت نوؔح ناروی مدظلہ العالی)

سامنے جس کی نگاہوں کے مدینا آیا
بعد مرنے کے نئی شکل سے جینا آیا
میں یہ سمجھا کہ دئے ابرِکرم نے چھینٹے
زندگی وادیٔ یثرب میں بسر کرنی تھی
کشتۂ عشقِ محمدؐ کو ملی عمرِ ابد
جان کر ساقیٔ کوثرؐ کا طلبگار مجھے
حج میں بھی حسن نگوں نے یہ دکھا اعجاز
یہ خدا کا ہے وہ محبوبِ خدا کا گھر ہے
حوضِ کوثر کے قریں ساقیٔ کوثرؐ کی قسم
دفن ہونے کی جگہ مجھکو جو یثرب میں ملی

لطف کے ساتھ اُسے مرنا اسے جینا آیا
قبر میں یاد میرے دل کو مدینا آیا
دیکھکر فردِ عمل کو جو پسینا آیا
حضرتِ خضر کو جی کر بھی نہ جینا آیا
بعد مرجانے کے جینے کا قرینا آیا
جام کوثر ساتھ لئے خلد سے مینا آیا
ہمکو مکے سے نظر صاف مدینا آیا
سامنے کعبے کے آیا تو مدینا آیا
وہ ہے کافر جو کہے ہمکو نہ پینا آیا
میں یہ سمجھا کہ مرے ہاتھ دفینا آیا

ناخدا جب ہو محمدؐ سا تو ہم کیوں کہیں یہ
نوؔح طوفانِ حوادث میں سفینا آیا

غزل

حضرت شفیقؔ الہ آبادی

بکھرنا اُنکا مناسب نہیں تھا رخ کے لئے
طریقِ عشق میں رہبر کا کیوں کریں شکوہ
وہ آسکا کوئی پیمان شکن دمِ آخر
فلک کے ظلم کو محسوس میں نے ظلم کیا
پوچھا میں نے یہ بے التفاتیاں کب تک
گیا برق نے صرصر نے کر دیا برباد

مری نگاہ نے گیسو ترے سنوار دئے
ہمارے پائے طلب ہی نے خود فریب دئے
یہ بات رہ گئی کہنے کو عمر بھر کے لئے
کرم تھے وہ مرے حق میں ستم جو لوٹ کے گئے
تو ہنس کے بولے یہ ہے عہد عمر بھر کے لئے
وہ تنکے ہم نے چنے تھے جو آشیاں کے لئے

خلش بغیر نہیں ہے شفیقؔ لطفِ حیات
دل و جگر میں کسی ناوکِ نظر کے لئے

تجلیات محمدی۔ یہ زائر حرمین شریفین حضرت محمد ریاست علی صاحب عاجزؔ مرادآبادی کی کہی ہوئی نعتوں منقبتوں اور سلاموں کا مجموعہ ہے منقبتیں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضور پاک کی شان میں کہی گئی ہیں جن کے پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ہدیہ مجلد عہ

مفتاح نجات۔ یہ کتاب واقعی نجات کی کنجی ہے۔ جس میں عقائد طہارت۔ مسائل نماز پنجگانہ تراویح۔ قصر۔ قضا۔ جمعہ۔ عیدین۔ جنازہ کے متعلق جمع کئے گئے ہیں۔ موت کا بیان جس میں تجہیز و تکفین کے طریقے بھی ہیں شامل کر دیا گیا ہے۔ بچوں۔ عورتوں اور مردوں سب کے کام کی چیز ہے۔ صفحات ۱۵۲۔ ہدیہ ۱۲ ار

ہفت سلام۔ یہ بھی حضرت موصوف کا کہا ہوا سلام ہے جس کو پڑھ کر واقعی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں اور دریائے رحمت آپ کی طرف متوجہ ہو سکتی ہے ہدیہ صرف ۳ ر

اس کے علاوہ قاعدہ بغدادی قرآن پاک کے سپارے۔ ابتدائی بچوں کی آسان اردو سیرت اور حالات صحابہ و تاریخ اولیا کرام حساب جغرافیہ۔ تاریخ مترجمہ و غیر مترجمہ قرآن پاک اور دوسری مذہبی تاریخی ادبی کتابیں مکتبہ پاسبان سے رعایتی قیمت پر طلب کیجئے۔

منیجر مکتبہ پاسبان دائرہ شاہ اجمل
۲۲۵ الہ آباد نمبر ۳
(یو۔ پی)

مودودیت پر ایک نظر

از: شمس العلماء حضرت مولانا حکیم محمد نظام الدین صاحب
مفتی پاسبان

۱۔ مودودی صاحب کے کارنامے ۔

مودودی صاحب کے امت پر بڑے احسانات ہیں ۔

ان کا سب سے بڑا پہلا احسان یہ ہے کہ خارجیت کا فتنہ جو مسلمانوں میں مدت دراز سے غیر مقبول ہو چکا ہے اس فتنہ خوابیدہ کو

" اسلام کے اصولوں پر ایک نئے اجتماعی نظام اور نئی تہذیب کی تعمیر[1] کا نام دیکر پھر سے جگانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح ناواقف مسلمانوں میں اسی کے خلاف جو عام بے اعتمادی پائی جاتی ہے اسے کم کرنے کے لئے سعی ناکام فرمائی جس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ

زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کر کے بالآخر حکومت کی مشین پر قبضہ کیا جائے ۔[2]

لیکن علماء کو کیا کہا جائے ؎

لوگ ہوتے ہیں آتش کے پرکالے پر تار جاتے ہیں تاڑنے والے

وہ مولانا کی نئی خارجیت اور ہوس اقتدار کے عزائم مشومہ کو بھانپ گئے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

اور قبل از وقت بھانڈا پھوڑ دیا

؎ اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

چنانچہ ملاحظہ ہو صدق لکھنو ۱۹۴۲ء بالخصوص عبارت ذیل :-

زبانوں پر وہی نعرے اِنِ الحکمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے اور ہاتھ مسلمانوں کے گلے کاٹنے ان پر نیزے چلانے اور ان کے خنجر بھونکنے میں مصروف ......

سارا جہاد و قتال مسلمانوں ہی کے مقابلے میں آج تیرہ سو برس کے بعد وہی نعرے جب اس بے پناہ جوش و خروش کے ساتھ زبانوں پر جاری ہوتے ہیں تو آخر تاریخ کیوں نہ اپنے کو دہرائے اور حریف اور مقابل کے لئے بجائے "قومی" اور "نسلی" مسلمانوں کے کسی اور کی تلاش کیوں ہو ۔[3]

تیر ٹھیک نشانہ پر جا لگا اور مودودی جماعت کی بانی کمانڈ تلملا اٹھی یہ حرکت مذبوحانہ قابل دید تھی اور آخر ایک نقاد کو اس حرکت کی داد دینا ہی پڑی " خارجیت کے نام سے ان میں برہمی پیدا ہوتی ہے .... بتایا جائے آج بھی مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے اس آیت کا استعمال جس طریقے سے کیا جا رہا ہے اگر دیکھنے والوں کو اس میں خارجیت کا رنگ نظر آتا ہے تو یہ نقطہ نظر کیا نیا نقطہ نظر ہے ؟ علامہ جصاص بھی تو یہی فرما رہے ہیں "۔[4]

مودودی صاحب کا دوسرا بڑا احسان یہ ہے کہ باب اجتہاد کا تلفیق اور نفسانیت و ہوا پرستی کے سدباب کے پیش نظر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہی کے مسدود ہونے پر اجماع[5] امت ہو چکا ہے انہوں نے بیک نعرہ انا ولا غیری اس کا دن دہاڑے تالا توڑنے کی کوشش کی ۔ آخر ؎

کفر آزاد ہے کیوں دین بھی برباد نہ ہو

چنانچہ مولانا نے آخر اس کا اعلان کر ہی ڈالا ۔

دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو منجملہ ایک شاستر کے بنا کر رکھ دیا گیا ہے[6] اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے (ترجمان القرآن جلد ۱۸ عدد ۱) دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے " دوسری طرف ترکوں کے علماء اور مشائخ نے جناب بھی ساتویں صدی کے

[1] و [2] ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۳۷ء [3] (صدق جدید بابتہ ۱۵ر فروری ۱۹۵۳ء [4] یہ ایک مستقل بحث ہے کہ خارجیت سے اسلام کو کیا ناقابل تلافی نقصان پہونچا اور مودودیت اسی خارجیت کا نیا چولا ہے اس سلسلہ میں ایک مبسوط مقالہ آئندہ شائع کیا جائے گا لہٰذا سر دست تنبیہ پر اکتفا کی جاتی ہے (اشتاق احمد نظامی) [5] تقلید کے وجوب اور عدم تقلید کے مفاسد پر علمائے کرام نے بڑی شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے اس لئے اس بحث کی

کے نفاذ سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے وہ اب بھی کہہ رہے تھے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کئے جائیں جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں (تنقیحات ص۸۱)

مولانا مودودی نے شامی اور کنز الدقائق کے خلاف نفرت و بیزاری پیدا کرنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ اس سرچشمۂ ہدایت کے خلاف نفرت و بیزاری کا بیج بویا جو قرآن و حدیث کا زمانہ ہے۔

"ہمارے نسبت یہ نہ خیال کیا جائے کہ دنیا اس وقت تمدن کے جس مرتبہ پر ہے ہم اس سے رجعت کر کے اس تمدنی مرتبہ پر واپس آنے کے خواہشمند ہیں جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھا۔" (ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۳۴ء)

اس ادعائے اجتہاد کے نتیجہ میں مودودی صاحب جس شریعت سے بیزاری کی تعلیم امت مسلم کو دے رہے ہیں اسکی دردناک اور شرمناک تفصیل بھی سن لیجئے۔

"علوم اسلامیہ کو بھی ان کی قدیم کتابوں[۹] سے جوں کا توں نہ لیجئے بلکہ ان میں سے متاخرین کی آمیزشوں[۱۰] کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجئے۔" (تنقیحات ۲۲۲)

"قرآن اور سنت کی تعلیم سب پر مقدم[۱۱] ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں[۱۲]" (تنقیحات ص۱۳۲) تفسیر کے متعلق مولانا کا خیال ہے۔

یہاں اعادہ تطویل لاطائل ہوگی۔ البتہ اس مسئلہ پر شاہ ولی اللہ صاحب کے ارشادات گرامی مطالعہ کے مستحق ہیں یہ اس وجہ سے کہ مودودی صاحب ایک زمانے میں شاہ صاحب کے بڑے ہی معتقد رہ چکے ہیں اور انہیں جزوی مجدد بھی مانتے ہیں۔ چنانچہ مودودی صاحب کی کتاب "تجدید و احیاء دین" مولانا منظور نعمانی کے الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر ہی کے لئے لکھی گئی تھی جسے بعد میں مستقل کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے کیسے عقیدت مند ہیں اگر یہ عقیدت مخلصانہ ہے تو اس پر شاہ صاحب کے حسب ذیل ارشادات گرامی کی روشنی میں اپنے دعاوی اجتہاد پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور اسی اوطئے عفش سے تائب ہو جانا چاہئے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

۱۔ ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا وفي ذالك من المصالح ما لا يخفى منها في هذه الايام التي قصرت الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي راى برايه (حجة الله البالغة) امت اسلامیہ اور جو حضرات امت اسلام میں ہیں انہوں نے ان چاروں مذاہب کی جو مدون اور قلم بند ہو چکے ہیں تقلید کے جواز پر ہمارے زمانے تک اجماع اور اتفاق رائے کیا ہے اور اسی تقلید میں بہت کی مصلحتیں ہیں جو بالخصوص اس زمانے میں مخفی نہیں ہیں جبکہ ہمتیں بہت کم ہو گئی ہیں۔ ہوا پرستی اور خواہش پرستی قلوب میں جاگزیں ہو گئی ہے اور ہر رائے والا اپنی رائے پر ناز کرتا ہے۔

۲۔ اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة (عقد الجيد ص۳۶) جاننا چاہئے کہ ان چاروں مذاہب کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحتیں ہیں اور ان سے گریز کرنے میں بڑی مصلحتیں ہیں اور ان سے گریز کرنے میں بے شمار فساد ہیں۔

۳۔ وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا الواجب في ذالك الزمان۔ (انصاف)

[۶] تیسری صدی میں مجتہدین کے لئے اپنے اعیان کے مذہب پر چلنا ظاہر ہے۔ کم لوگ تھے جو کسی معین مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہ امر واجب ہے۔ [۷] اسلامی شریعت کا ناقابل ساتر ملاحظہ ہو۔ (مشتاق احمد نظامی) [۸] اس ساڑھے تیرہ سو برس کی تصریح نے اس تاویل کی بھی گنجائش نہ رکھی کہ پہلے اقتباس میں ساتویں صدی سے مراد عیسوی صدی نہیں بلکہ ہجری صدی ہے۔ دونوں اقتباسوں کی غرض ایک ہی ماحول سے ہے یعنی وہ عہد جو خیر القرون کا مصداق اور اتباع و پیروی کا مستحق ہے (مشتاق احمد نظامی) [۹] سبحان اللہ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔ اے میرے اللہ قدیم کتابوں میں متاخرین کی آمیزش کیسے ہو گئی۔ قدماء کو متاخرین آمیزش کا پہلے سے پتہ کیسے چل گیا جو انہوں نے قبل از وقت آمیزش کر لی اور اگر متاخرین نے قدماء کی قدیم کتابوں میں آمیزش کی تو وہ متاخرین کی کاشیہ آرائی کے بعد کونسی نعمت سے ہمارے قدماء کی تصانیف یا قدیم کتابوں کی مصداق رہیں آخر یہ کونسی لطقیت، معقولیت، ادبیت اور صحافیت ہے۔ کیا مولانا واقعی سب کو گاؤدی ہی سمجھتے ہیں۔ (مشتاق احمد نظامی)

قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے (تنقیحات ۲۲۲) دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"اس میں (تفسیر قرآن میں) جس چیز کی کوشش میں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کو پڑھکر جو مفہوم میری سمجھ میں آئے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے اسے جوں کا توں زبان میں منتقل کر دوں"[۱۳] (مقدمہ تفہیم القرآن)

حدیث کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

"محدثین نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا ہے جو بلاشبہ بیش قیمت ہے مگر ان میں ایسی کونسی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ (تفہیمات ۲۹۲)

قرآن اور حدیث ہی پر سے جب اعتبار اٹھ جائے تو پھر اطاعت خدا معلوم۔ غرض کتاب و سنت پر جو شریعت کی اصلیں ہیں ہاتھ صاف کرنے کے بعد مولانا نے نفس شریعت کو نشانہ استہزا بنانا شروع کیا"۔ میں اس بات کا بھی سخت مخالف ہوں کہ علمائے کرام وقت کے رجحانات سے۔ نہ موڑ کر بیٹھ جائیں اور اس امر کو بھول جائیں کو وہ حصل ایتر اور بلی الخ کے زمانہ تصنیف میں نہیں بلکہ نت نئی سائنٹفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں۔ اس دور میں روز بروز نئے مسائل کا پیدا ہونا لابدی ہے اور ان مسائل کو حصل ایتر اور بدائع کی روشنی میں حل کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں جس کا خطرہ نوجوان سائل نے اپنے استفسار میں ظاہر کیا ہے۔ رہائی کے لئے علمائے اسلام میں وسعت نظر اور روح اجتہاد کی ضرورت ہے۔ ورنہ قدم پر عالمگیری اور تاتار خانی کو لاکر سد راہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانہ کا مسلمان قرآن و حدیث کو چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے گا چل نکلے گا۔ جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے (ترجمان القرآن اگست ۱۹۳۶ء)

اس طرح شریعت کے ماخذ اور منابع سے بیزاری پیدا کرنے کی کوشش کے بعد مودودی صاحب نے نفس شریعت اور عبادت سے بھی تنفر و بیزاری کا بیج بونے کی سعی نامشکور فرمائی۔

آپ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑا ہونا، گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا اور زمین پر ہاتھ ٹیک کر سجدہ کرنا اور چند مقررہ الفاظ زبان سے ادا کرنا بس یہی چند افعال اور حرکات بجائے خود عبادت ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزانہ صبح و شام تک بھوکے پیاسے رہنے کا نام عبادت ہے۔

ف[۱۱]۔ قرآن اور سنت کی تعلیم کا تقدم ذاتی ہمارا ایمان ہے اور امت کا معمول یہ ہے تو اس میں مولانا نے کیا نئی بات کی اور اگر ان کی مراد تقدم زمانی سے ہے تو یہ ایسا مسئلہ ہے جسے ماہرین تعلیم بھی حل نہ کرسکیں گے۔ بلکہ اگر خدانخواستہ مولانا کی جماعت برسر اقتدار بھی آگئی تو اس ناممکن العمل تعلیمی پالیسی پر عمل نہ کرسکے گی۔ (مشتاق احمد نظامی)

ف[۱۲] اگر پرانے ذخیروں سے نہیں تو کیا نئے ذخیروں سے؟ حالانکہ خود مودودی صاحب چار سطریں اوپر متاخرین کی آمیزشوں (ذخیروں) کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں۔ آخر تضاد بیانی کی کچھ تو حد ہونا چاہئے۔ (مشتاق احمد نظامی)

ف[۱۳]۔ تو پھر تفسیر بالرائے کسے کہتے ہیں اور اس عزم نامسعود کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ (من قال برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔)

ف[۱۴]۔ سنجیدہ نظر مسلمانوں سے اس جگہ صرف ایک ہی سوال ہے اور وہ یہ کہ اگر یہ استخفاف شریعت نہیں تو پھر استخفاف شریعت کسے کہتے ہیں! نیز یہ انداز استہزا کسی عالم کا تو درکنار ایک ادیب کا بھی نہیں ہوسکتا اور اگر یہ ادبی محاورت ہے تو دہلی کی بھٹیاریاں اور لکھنؤ کے بھپتی باز نخرے صف اول کے صحافی اور خطیب ہونے کے مستحق ہیں۔ (مشتاق)

ف[۱۵]۔ لیکن کیا یہ غلط فہمی ہے۔ خود مودودی صاحب نے اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں لسان العرب کے حوالے سے عبادت کے جو مختلف معانی اختیار کئے ہیں اس میں دوسرے معنی اطاعت کے ہیں اب اہل حق خود فیصلہ فرمائیں۔

(۱) حکم خداوندی ہے "قوموا للہ قانتین" اس کے بعد ایک بندہ خدا نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ اب اس ایجابی امر کے مقابلے میں اس کے اس

آپ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کے چند رکوع زبان سے پڑھ دینے کا نام عبادت ہے غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے [15] [16]
اس طرح بزعم خود زمین ہموار کرکے اور قدماء اور متاخرین کی جانب سے بدظنی کرکے مولٰنا نے آخر دل کی بات کہہ ہی ڈالی' ادھر اس ع برعکس نہند نام زنگی کافور۔
کی مصداق جماعت اسلامی کی صدارت ملی اور ادھر دعوی اجتہاد علی الاعلان فرما دیا۔
"فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جسکو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب ترجمان القرآن" کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں" اور اگرچہ زبانی تو انہوں نے یہی کہا کہ اب کہ میری حیثیت اس جماعت کا امیر کی ہوگی' میرے لئے یہ بات صاف کردینی ضروری ہے کہ فقہ و کلام کے مسائل میں اور جو کچھ میں نے لکھا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھوں گا اسکی حیثیت امیر جماعت کے فیصلے کی نہ ہوگی بلکہ میری ذاتی رائے کی ہوگی۔

لیکن عملاً مودودی جماعت پر کیا اثر ہوا ہے یہ سننے سے زیادہ دیکھنے کی بات ہے مولٰنا کی علمی تحقیق اور آزادی رائے پر جماعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی لیکن ان کے افکار و کردار کا اثر اصولی طور پر ان کے متبعین پر ہونا ناگزیر تھا۔ ان کے ساتھی بڑے مخلص اور پرجوش ہیں لیکن ذہنی اعتبار سے ان میں سے ایک بھی ان کی ٹکر کا نہیں۔ علمی و ذہنی حیثیت سے وہ مولٰنا کی سطح سے بہت نیچے ہیں اس لئے سیاسی حیثیت کی طرح مذہبی طور پر بھی ان کی جماعت نے ان کے مسلک کو اپنایا۔ اور کوئی مودودی ایسا نہیں ہے جو اس مسلک کا مخالف ہو کیونکہ اصولی طور پر جو اجتماعی نظام مودودی جماعت کے پیش نظر ہے اس کی حقیقت ایک ہمہ گیر اسٹیٹ کی ہے اور اس نوعیت کا اسٹیٹ ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو

دست بستہ قیام کو اطاعت کہا جائے گا یا اور کچھ؟ اور اگر یہ اطاعت ہے تو خود مودودی صاحب کی تذکرۃ الصدر تصریح کے بعد یہ عبادت ہے یا نہیں؟۔

۲۔ حکم خداوندی ہے فول وجہک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ' اس کے بعد اگر بندہ مومن نماز میں قبلہ رو کھڑا ہو جاتا ہے اس کا یہ فعل قرآن کے ایجابی امر کے مقابلے میں اطاعت کہا جائے گا یا نہیں اور کیا اس کا یہ فعل عبادت ہوگا یا نہیں؟۔

۳۔ حکم خداوندی ہے واسجدوا' اسکے بعد اگر بندہ مومن زمین پر ہاتھ ٹیک کر سجدہ کرتا ہے تو اس کا یہ فعل حسب تصریح بالا عبادت ہے یا نہیں؟۔

۴۔ حکم خداوندی ہے ارکعوا' اس کے بعد اگر بندہ مومن گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکتا ہے تو یہ فعل حسب تصریح بالا عبادت ہے یا نہیں؟۔

۵۔ حکم خداوندی ہے فسبح باسم ربک العظیم سبح اسم ربک الاعلٰی' نیز ولکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ' اس کے بعد اگر بندہ مومن رکوع اور سجود اور دیگر ارکان میں تسبیح اور تحمید کے وہ مقررہ الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہیں تو وہ اس طرح حکم خداوندی کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں اور آیا یہ امر حسب تصریح بالا عبادت ہے یا نہیں؟۔

۶۔ حکم خداوندی ہے یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون' شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینٰت من الھدی والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ نیز وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل'۔ اس حکم خداوندی کے بعد اگر کوئی بندہ مومن رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزانہ صبح سے شام تک اکل و شرب وغیرہ سے بچتا ہے یا مودودی صاحب کے الفاظ میں بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اہل حق ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس کا یہ فعل عبادت میں شمار ہونا چاہیئے یا نہیں اور اگر یہ عبادت نہیں اگر یہ اطاعت خداوندی نہیں تو پھر کتنے لوگ جیٹھ بیساکھ کی دوپہر میں پیاس کی شدت بیکار و عبث برداشت کیا کریں گے اور کیا اس خطبہ کی تبلیغ و اشاعت سے مجدد اسلام کا یہ رکن ڈھا نہ جائے گا۔

۷۔ حکم خداوندی ہے فاقرءوا ما تیسر من القرآن' اس ایجابی امر کے بعد اگر کوئی بندہ خدا چند رکوع زبان سے پڑھتا ہے تو کیا یہ حکم قرآن کی تعمیل و اطاعت نہیں ہے۔ اور کیا حسب تصریح بالا یہ عبادت نہیں؟ (مشتاق احمد نظامی)

[16]۔ مولانا نے جماعت اسلامی کے پہلے جلسوں میں فرمایا تھا کہ "فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے"۔ لیکن انہوں نے تصریح نہیں فرمائی کہ وہ مسلک ہے کیا۔ اللہ معاف کرے۔ اس انداز فکر سے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ مولانا کا رجحان ملاحدہ باطنیہ کی جانب ہے۔ چنانچہ انہوں نے آگے چل کر فرمایا ہے "غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس عبادت کے لئے آپ کو پیدا کیا ہے اور جس کا آپ کو

محدود نہیں کرسکتا۔ یہ ہمہ گیر اور کلی اسٹیٹ ہے اس کا دائرۂ عمل پوری انسانی زندگی پر محیط ہے .... اس کے مقابلے میں کوئی شخص اپنے کسی معاملے کو شخصی اور پرائیویٹ نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے۔ [ل]

اس کے بعد مولانا کا یہ فرمانا کہ فقہ وکلام کے متعلق میری رائے صرف ذاتی ہوگی کہاں تک صحیح ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام پر موقوف ہے۔ بھلا کیا ایک ہمہ گیر اسٹیٹ میں اصولی نظریات، کلامی مسائل اور قوانین فقہی مسائل کو پرائیویٹ اور شخصی رکھا جاسکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مودودی صاحب کے متبعین کسی بات کو سننے اور کسی عبارت کو دیکھنے کے روادار نہیں تاوقتیکہ مرکز سے ایسا کرنے کی عام اجازت نہ آجائے۔ اور اس چیز نے ان حضرات میں ایسی تنگ نظری پیدا کردی ہے جس کی مثال اسلام کے بہتر فرقوں میں سے کسی میں بھی ڈھونڈے نہ ملے گی خیر اینہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر۔

یہ تنگ نظری بھی مولانا کا ایک احسان عظیم ہے جو امت پر تو نہیں ان کے متبعین پر نازل ہوا۔ آخر تو آسمان کا تھوکا حلق ہی میں آتا ہے۔ مولانا نے علماء کے خلاف فرمایا تھا "رہنمائی کے لئے علمائے اسلام میں وسعت نظر اور روح اجتہاد کی ضرورت ہے"۔ (ترجمان القرآن اگست ۱۹۳۹ء)

دوسری جگہ لکھا "امامت خواہ وہ آگ کی طرف لے جانے والی ہے یا جنت کی طرف بہرحال اس گروہ کا حصہ ہے جو سمع وبصر وفؤاد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھکر استعمال کرے... آپ کے ہاں منتہائے دانائے علم کی جو حالت تھی اس میں بصر اور فؤاد دونوں معطل تھے اور سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا"۔

لیکن سوال یہ ہے کہ مولانا نے اپنے متبعین میں وسعت نظر اور روح اجتہاد پیدا کرنے کی کوشش کی کہاں تک ہمت افزائی فرمائی اور ان سے بصر اور فؤاد کو استعمال کرنے کا کہاں تک مطالبہ کیا اور اگر کسی نے احیاناً کیا تو اس کو حریت رائے کا کیا صلہ ملا کیا ہمیں بتایا جائیگا کہ مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید جعفر صاحب، عطاء اللہ صاحب میتوا کھالی اور خود قمر الدین خاں صاحب (جو سابق میر ناظم جماعت کے ذمہ دار عہدے پر فائز المرام رہ چکے ہیں) آخر کیوں جماعت سے علیحدگی پر مجبور ہوئے۔

مودودی صاحب کا تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ غیر اسلامی نظام و تنظیمات جو اسلامی مزاج کے سازگار ہیں بالخصوص اشتراکیت مولانا نے ان پر اسلام کا لیبل لگا کر انہیں اپنایا۔ غالباً بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ نام نہاد جماعت اسلامی کی تنظیم اسلامی اصولوں پر نہیں بلکہ خالص اشتراکی انداز پر ہوئی ہے اگرچہ مودودی قلم کار زبان سے اشتراکیت کی انتہائی مخالفت کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہی غیر اسلامی ازم (   ) ہیں جنھیں مولانا عربی کے ضخیم نام دیکر اسلامی الاصل بنانے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔ تفصیل کا موقعہ نہیں ہے صرف چند ملفوظات ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) اگر اسلام کا نظریۂ سیاسی میں مولانا کے پیش نظر مملکتی تنظیم کا جو نقشہ ہے وہ اسلامی نہیں بلکہ اشتراکی ہے۔ فرماتے ہیں: "یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے" (اسلام کا نظریہ سیاسی صفحہ ۳۵)

(۲) جن حضرات نے اشتراکی جماعت کی تنظیم کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ کمیونسٹ پارٹی کے اجزار ترکیبی کے دو درجے ہیں۔

ا۔ ممبر جنھیں معتدبہ عرصہ تک ممبری کیلئے امیدوار رہنا پڑتا ہے اور

حکم دیا ہے وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ کیا یہ صریح نصوص قرآنی کا اپنے ظواہر سے بغیر دلیل قطعی کے عدول نہیں ہے حالانکہ یہ امر شنیع الحاد محض ہے۔ عقائد النسفی میں جو نہ صرف اہلسنت والجماعت ہی کی معتمد علیہ کتاب ہے بلکہ تعلیمات اسلام کی نہایت سنجیدہ توضیح ہے۔ لکھا ہے:-

"والنصوص من الكتاب والسنة تحمل على ظواهرها والعدول الى معان يدعيها اهل الباطن وهم الملاحدة الحاد"

(قرآن اور حدیث کی نصوص کو ان کے ظاہری معانی پر محمول کیا جائے گا اور ظاہری معانی سے ان معانی کی طرف عدول کرنا جن کا اہل باطن یعنی ملاحدہ دعویٰ کرتے ہیں الحاد اور بے دینی ہے)

عقائد النسفی کی اس تصریح کے بعد اہل حق ہی فیصلہ فرمائیں کہ مودودی صاحب سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنے جوشِ خطابت سے کس الحاد و بے دینی کے گڑھے میں گرانے لئے جارہے ہیں۔ (مشتاق احمد نظامی)

[ل] اسلام کا نظریہ سیاسی صفحہ ۳۴-۳۵

۲۔ ہمدرد جس کا درجہ ۱۹۳۳ء کے بعد سے قائم کیا گیا ہے۔ یہ لوگ غیر جماعتی مرد و عورت ہوتے ہیں جو اگرچہ کمیونسٹ پارٹی سے پوری عقیدت رکھتے ہیں لیکن بعض وجوہ کی بناء پر اس میں باقاعدہ شرکت کرنے کے لئے تیار نہیں وہ جماعتی آرگنوں کے جلسوں میں شرکت کرتے ہیں انہیں مشورے کی حیثیت سے ووٹ دینے کا حق ہوتا ہے اور وہ پارٹی کے فیصلوں کو بروئے کار لانے میں کوشش کیا کرتے ہیں۔ اب ذرا نام نہاد جماعت اسلامی کی تنظیم پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ یہاں بھی آپ کو دو ہی درجے ملیں گے۔ (۱) ارکان جن کی تعداد کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے لیکن پھر بھی کم رہتی ہے اور (۲) ہمدردان۔

۳۔ میں نے کہا جماعت اسلامی کے ارکان کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے یہ بھی اسلام کی پیروی میں نہیں بلکہ کمیونسٹ پارٹی کی تقلید میں اس کی تفصیل یہ ہے "گاہے گاہے کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی ممبروں کی رکنیت پر اس حیثیت سے نظرثانی کیا کرتی ہے کہ وہ پارٹی کے اصولوں پر کہاں تک ایمان رکھتے ہیں اور اشتراکیت کی اشاعت و ترقی میں کہاں تک کوشش کرتے ہیں اس قسم کی تطہیرات ( ) کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے ممبر نکال دیئے جاتے ہیں چنانچہ ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۶ء، ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۸ء میں اس قسم کے عمل تطہیر ( ) ظہور میں آئے اخراج بھی ہوتے رہتے ہیں چنانچہ اعلیٰ روسی پولیس افسر بیریا کا اخراج اور قتل ہمارے نظر کے سامنے ہے۔

جماعت اسلامی میں بھی اس قسم کے عمل تطہیر ہوتے رہتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کو اس میں سیاسی اقتدار بھی حاصل ہے لہٰذا جو پارٹی سے نکالا جاتا ہے وہ دنیا سے بھی ختم کر دیا جاتا ہے لیکن جماعت اسلامی کو ابھی یہ اقتدار نہیں ملا لہٰذا صرف اخراج ہی پر اکتفا کی جاتی ہے یا ارکان علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس جماعت کی بنیاد ۱۹۴۱ء میں رکھی گئی ہے جس میں کل پچھتر ۷۵ ارکان اور ہمدرد شامل ہوئے اور مودودی صاحب امیر جماعت منتخب ہوئے۔ بعد میں امیر جماعت کی آمریت نے بعض دوسرے ارکین کو شرکت کے ساتھ چھوڑنے دیا اور مولانا منظور نعمانی اور قمرالدین خاں وغیرہ علیحدہ ہونے پر مجبور ہوئے ۱۹۴۳ء میں ارکان کی تعداد سات سو پچاس تک پہونچ گئی لیکن اس سال ڈسٹ چھانٹ ( ) شروع ہوئی اور جو ارکان غیر معمولی جذبہ جوش و خروش سے عاری تھے وہ رکنیت سے محروم اور جماعت سے باہر کئے گئے اور ارکان کی مجموعی تعداد اس عمل تطہیر کے بعد چار سو پچاس سے بھی کم ہو گئی۔

اس عمل تطہیر کے لئے آپ کو کتاب و سنت میں تو کیا تاریخ اسلام میں بھی کوئی مثال نہ مل سکے گی۔ لیکن کمیونسٹ پارٹی کی تطہیرات ( ) ہمارے سامنے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس باب خاص میں مودودی جماعت نے کمیونسٹ پارٹی کی تقلید کو اپنے لئے نجم ہدایت بنایا ہے۔

(۴) ایک اور چیز جو کمیونسٹ پارٹی سے مودودی جماعت نے سیکھی ہے اور جس کی قرآن نے سختی سے ممانعت کی ہے وہ اپنے مخالفین کے متعلق گمراہ کن پروپگنڈہ ہے۔ اشتراکی نہ صرف اہل مذہب ہی کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے ہم عقیدہ لیکن سیاسی مخالف مادہ پرستوں کی بھی نہایت شدت سے مخالفت کرتے ہیں۔ ہر وہ بدنصیب جو کمیونسٹ پارٹی کی برسر اقتدار جماعت سے سرتابی کرتا ہے وہ کیسا ہی کٹر دہریہ اور مادہ پرست کیوں نہ ہو اسے پارٹی کی جانب سے "بورژوا" کے نام سے بدنام کیا جاتا ہے۔

مودودی جماعت کا بھی یہی حال ہے، وہ نہ صرف غیر مسلموں ہی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں بلکہ ان تمام مسلمانوں کے خلاف بھی زہر اگلنے میں کوتاہی نہیں کرتے جو ان کے ہم مسلک نہیں ہیں۔ کمیونسٹ اپنے مخالفین کے مسلک کو جاہلیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کا مسلک ان کے یہاں "جاہلیت خالصہ" جو ملحد مجاہدین اسلام کا مسلک "جاہلیت مشرکانہ" اور علماء و مشائخ کا مسلک "جاہلیت راہبانہ" کہلاتا ہے اور آخر الذکر دو مسلکوں کی جو گھناؤنی تصویر انہوں نے پیش کی ہے وہ غالباً دشمنان اسلام نے بھی نہ کھینچی ہوگی۔

۵۔ اشتراکیت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک پارٹی کی حکومت بنانا چاہتی ہے اس میں کل آبادی سولہ کروڑ ہے جس میں سے صرف سولہ لاکھ نفوس کمیونسٹ پارٹی کے باقاعدہ ممبر ہیں مگر حکومت صرف کمیونسٹ ہی کی ہے جو ایک خاص مسلک اور ایک خاص اصول نظریہ پر ایمان رکھتے ہیں، حکومت کی مشینری صرف کمیونسٹوں کا قبضہ ہے غیر کمیونسٹوں کی حیثیت محض رعایا (ذمی) کی سی ہے۔

مودودی صاحب کے پیش نظر جو سکتی تنظیم ہے اس کا نقشہ بھی ہو بہو یہی ہے "اسلام کا نظریہ سیاسی" میں فرماتے ہیں۔

دوسری بات جو اسلامی اسٹیٹ کے دستور اور اس کے مقصد اور اس کی اصلاحی نوعیت پر غور کرنے سے خود بخود واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے اسٹیٹ کو صرف وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں۔ جنھوں نے اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو اور جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں نہ صرف اس میں کامل عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ اس کی اسپرٹ کو بھی اچھی طرح سمجھتے ہوں۔

جو شخص بھی اسے قبول کرے خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو وہ اس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے بنائی گئی ہے مگر جو اسے قبول نہ کرے اسے اسٹیٹ کے کام میں دخیل نہیں کیا جا سکتا وہ اسٹیٹ کے حدود میں ذمی کی حیثیت سے رہ سکتا ہے اسے بہر حال حکومت میں شریک کی حیثیت نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ ایک خاص مسلک رکھنے والی پارٹی کا اسٹیٹ ہے[۱۸] مودودی جماعت اور کمیونسٹ پارٹی کی مماثلت میں غیر معمولی طوالت ہوگئی اور اگر بالعان نظر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں میں بہت سی مشترک خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی بناء پر صرف ایک ہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے یعنی یہ کہ نہ صرف مودودی جماعت کی تنظیم ہی کمیونسٹ پارٹی کے آرگنائزیشن کے اصول پر ہوئی ہے بلکہ ان کے بہت سے تصورات بھی وہیں سے ماخوذ ہیں دونوں کا مقصد اور نصب العین ایک ہی ہے یعنی' زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کر کے بالآخر حکومت کی مشین پر قبضہ جمایا جائے" [۱۹]

کیا اس خود غرضانہ عزم کے بے نقاب ہونے کے بعد بھی مودودی جماعت خود کو "تلک الدار الآخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا" کا مصداق سمجھتی ہے بہر کیف مماثلت بہت طویل ہو گئی صرف ایک چیز پر اور توجہ دلانے کی اجازت دیجئے۔

(٦) کمیونسٹ پارٹی پختہ کار تجربہ کاروں میں پروپیگنڈہ کرنے سے زیادہ بہتر بات یہ سمجھتی ہے کہ ناتجربہ کار لڑکوں کو اپنے جال میں پھانسے اس غرض سے وہ ان کی رومان پسندی کے لئے ایک خوابی دنیا ایک جنت ارضی تعمیر کراتی ہے جس کا آرگن ہے "ترقی پسند ادب" اس طرح انقلاب کے نام پر ان میں سماج کے خلاف بغض و عناد پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور اس طرح وہ کمیونسٹ ہائی کمان کی عقیدتمندانہ اطاعت کے لئے ایک پیر تقدس جال ہے یہ استاد کا کارنامہ ہے لیکن ہونہار شاگرد بھی اس داؤ سے غافل نہیں ہیں ان کے یہاں بھی "اسلامی ادب"، "اصلاحی ادب" اور "تعمیری ادب" کے نام سے مسلمان نوجوانوں میں مودودی جماعت سے والہانہ وابستگی اور مسلم معاشرت سے تنفر پیدا کیا جا رہا ہے یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے۔

روزمرہ کا مشاہدہ ہے ہر شہر اور قصبہ میں جہاں مودودی جماعت [illegible] کر رہی ہے مسلمان نوجوانوں میں آپ کو "اسلامی ادب" کے ادارے مل جائیں گے جو کم و بیش اسی قسم کا کام انجام دیتے ہیں جیسا کہ کمیونسٹوں کی سرپرستی میں "ترقی پسند ادب" کی انجمنیں یعنی نظم نویسی، قصہ نویسی، ڈرامہ نویسی وغیرہ۔ تعمیری کام یا تحقیقی کام نہ یہاں ہوتا ہے اور نہ وہاں۔ اگرچہ "اسلامی [illegible]

---

[۱۸] اسلام کا نظریہ سیاسی صفحہ ۳۵۔ ۳۶۔ ترجمان ص۱۹ ترجمان القرآن بابت دسمبر ۱۹۳۷ء

[۲۰] یہ بصیرت افروز بحث مودودی جال کے تو گرفتاروں کی آنکھیں کھول لینے کے لئے کافی ہوگا۔

مودودی صاحب جو ائمہ عظام اور فقہائے کرام کے اتباع کو بھی جو در حقیقت "واتبع سبیل من اناب الی" ہے اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے ہیں گرے تو اتنے گرے کہ لینن اور اسٹالن کی کمیونسٹ تنظیم کی تقلید کرنے پر مجبور ہوئے۔ اے چرخ گرداں تفو۔

یہ کوئی انشاء پردازی نہیں ہے نہ کوئی افسانہ تراشی ہے صرف روزمرہ کے واقعات ہیں جو ہماری اور آپ کی آنکھوں کے سامنے پیش ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں ہم نے ان پر پہلے اس حیثیت سے نظر نہیں ڈالی تھی۔ اس مشاہدہ کے بعد جو نتیجہ نکلتا ہے کہ مودودی جماعت کی تنظیم کمیونسٹ پارٹی کی تقلید میں ہوئی ہے ایک ناقابل انکار حقیقت ہے (مشتاق)

[۲۱] بدقسمتی سے علماء مدارس جو بیشتر حالات میں انگریزی سے نابلد ہوتے ہیں اور انھوں نے علوم جدیدہ کا مطالعہ [illegible]

عنوان سے بادی النظر میں یہ دھوکا ہوتا ہے کہ شاید یہ اسلامیات کی تحقیقات کا مرکز ہے یا یہاں مسلمان مفکرین کے افکار کو یا ان کے علمی کارناموں کو ئے علم وادب سے روشناس کرایا جاتا ہے لیکن یہ امید امید موہوم ہی ثابت ہوتی ہے کیونکہ مسلمان مفکرین (علماء قدیم وجدید) تو مودودی سلک ہیں "جاھلیۃ داعیان نمبر" کے ارکان اور جاہلیت مشترکانہ کے ایجنٹ ہیں [۲۰]

یہ مماثلت بہت طویل ہوگئی اور شاید اور زیادہ طویل ہو سکتی تھی۔

از ید بود حکایت دراز تر گفتم

مگر قارئین کرام کی ملالت طبع کے اندیشہ سے مودودی صاحب کے اس احسان ... کیا جاتا ہے۔ مبادا قوم کی گردن اس بار عظیم سے ٹوٹنے لگے۔ مودودی صاحب کا ... بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے مسائل حاضرہ کو ایسے مہیب اور ڈراونے انداز ... نام روشناس کرایا ہے اور اس کے لئے ایسی ضخیم تعبیرات اختیار کی ہیں کہ ... ناخواہ مجبور ہو کر رہنمائی کے لئے ان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں لیکن انہوں ... کتنی رہنمائی کی ہے اس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو ہوگا۔ مودودیوں کا ... جاعت کا ... ہے کہ موجودہ معاشی اور معاشرتی اور اجتماعی اور سیاسی الجھنوں کے متعلق ... سلف کے علمی ذخیرہ میں کوئی چیز نہیں ہے اور یہ کہ اس بات میں اسلامی ... کی خصاصت صرف انہیں کا حصہ ہے [۲۱]

مولانا نے ڈرایا تو بہت ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقے ... اسلاف کی نسبت سوء ظن پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے کہ انہوں نے اس ... زمانہ میں ان کی رہنمائی کے لئے کوئی سرمایہ نہیں چھوڑا۔ مثلاً

سخت خائف ہوں کہ علمائے کرام وقت کے رجحانات سے منہ موڑ کر بیٹھ جائیں اور اس امر کو بھی بھول جائیں کہ وہ ھدایہ اور بدائع کے زمانہ تصنیف میں نہیں بلکہ نت نئی سائنٹفک ایجادات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں اس دور میں روز بروز نئے مسائل کا پیدا ہونا لابد ہے اور ان مسائل کا ھدایہ اور بدائع کی روشنی میں حل کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں جس کا خطرہ نوجوان سائل نے اپنے استفسار میں ظاہر کیا۔ بے رہنمائی کے لئے علمائے اسلام میں بہت تفکر اور روح اجتہاد کی ضرورت ہے قدم قدم پر عالمگیری اور تاتار خانی کو سد راہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانے کا مسلمان قرآن و حدیث چھوڑ کر جدھر اٹھے گا چل نکلے گا جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے ہیں۔

اس زہر چکانی کے نتیجہ میں ھدایہ و بدائع اور عالمگیری و تاتار خانی کی جانب سے عوام میں بے اعتمادی پیدا ہوئی ہی تو ہے [۲۲] لیکن سوال یہ ہے کہ خود لوبتا تے "وقت کے رجحانات اور تیز رفتار تمدنی انقلابات" کا رد در رد مقابلہ کرنے کے لئے کتنی اور کیسی خدمات انجام دی ہیں؟

مولینا کے اجتہادات محدود ہیں لیکن قلت و کثرت اجتہادات سے کس نظر سے صحت وافادیت عقل و نقل دونوں کے نزدیک محل نظر ہیں اس کی توضیح طوالت طلب ہے اور چونکہ مودودی صاحب کے احسانات عظیم کی تفصیل یوں بھی ضرورت سے زیادہ طویل ہو چکی ہے نیز قارئین کرام کی ملالت طبع کا بھی اندیشہ ہے لہذا اس احسان عظیم کی تفصیل ایک مستقل مقالہ کی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ نیز چونکہ اجتہاد اپنی جگہ پر بالغ النظری اور تبحر علمی کا مقتضی ہے لہذا مودودی صاحب کا بے پایاں مبلغ علم کی دلچسپ داستان قارئین کرام کے ضیافت طبع کیلئے اگلی قسط میں پیش کی جائے گی۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

---

[۲۰] ... ترجمان القرآن بابت اگست ۱۹۳۶ء میں وہ فرماتے ہیں " میں اس بات کا بھی ... مودودیوں کے اس ادعائے باطل سے مرعوب ہو جاتے ہیں ان کی خاموشی سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ سمجھتا ہے کہ مودودیوں کا دعویٰ صحیح ہے۔ اس طرح ... لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے نام سے اپنی ہوا پرستیوں کو ناواقف کار مسلمانوں میں پھیلانے کا موقعہ مل رہا ہے حالانکہ یہ مدعیان تحقیق نہ علوم اسلامیہ سے واقف ہیں اور نہ علوم جدیدہ سے۔

پیش ملا طبیب و پیش طبیب ملا۔ پیش ہیچ ہر دو و پیش ہر دو ہیچ۔

... پوری طرح صادق آتا ہے (مشتاق)

[۲۲] ھدایہ اور بدائع پر مودودی صاحب جو نازیبا حملے کئے ہیں اسکے جواب کیلئے آئندہ مقالات کا انتظار کیجئے۔ جس میں پیچیدہ مسائل حاضرہ کا مکمل دقت نظری سے تجزیہ کیا گیا ہے اور ان ... کے متعلق قدیم و جدید علماء و مفکرین کی آراء و مذاہب پر منصفانہ محاکمہ کر کے قول محکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد دکھایا گیا ہے کہ یہ قول محکم بعینہ وہی ہے جس پر ھدایہ و بدائع کے مرتبین ... کے غیر متعصبانہ مطالعہ کے بعد پہنچے تھے اسکے بعد ھدایہ و بدائع، شامی و کنز اور عالمگیری و تاتار خانی کی محنت افادیت خود بخود مسلم ہو جائے گی اور قارئین کرام خود فیصلہ کر سکیں گے ... وہ پیچیدہ مسائل کے منصفانہ اور سنجیدہ حل کے لئے ان کتابوں کے مصنفین کی خدمات کتنی وقیع ہیں (مشتاق)

نعت شریف

زائر حرمین شریفین عالیجناب
شاہ محمد ریاست علی صاحب عالم مرادآبادی

عشق کے صدقے میں مجھکو خود سے نفرت ہوگئی
ہوگئی دنیا و مافیہا سے فرصت ہوگئی

کس حسیں کی گوشۂ خلوت میں جلوت ہوگئی
جب نقاب رخ اٹھا روپوش ظلمت ہوگئی

معصیت پر منفعل جس دم ندامت ہوگئی
آئی جنت سے صدا اللہ کی رحمت ہوگئی

دینے والے اپنا بھی کچھ غم عنایت کر مجھے
خوگر رنج و محن میری طبیعت ہوگئی

کس حسیں پیکر کا یہ دل میں تصور جم گیا
شکل ظاہر سے عیاں تصویر سیرت ہوگئی

جان کو دل سے پیارا۔ دل کو ہے جاں سے عزیز
اس حبیب دو جہاں سے جس کو الفت ہوگئی

صاحب خلق عظیم اس کا صدقہ ہو عطا
جس لب جاں بخش پہ صدقے حلاوت ہوگئی

ذرہ ذرہ بزم امکاں کا ہوا اس پہ فدا
جس کسی کو مہر طیبہ سے محبت ہوگئی

آرہی ہے دم بدم شہر خموشاں سے صدا
خوشخرامی آپ کی روح قیامت ہوگئی

یا غیاث العالمین اب مدد فرمایئے
نفس سرکش میں مرے پیدا بغاوت ہوگئی

ہے تلاطم خیز ہر موج زمانہ المدد
ناخدائی کی خدائی کو ضرورت ہوگئی

حافظو دم بھر میں کل قرآں پڑھا جاتا ہے یوں
دیکھا ان کا مصحف رخ اور تلاوت ہوگئی

آمد اغیار بھی تو ہے کرشمہ حسن کا تو
جب سے تم آنے لگے ہو دل میں وسعت ہوگئی

جب گریبان تصور میں ذرا گردن جھکی
کعبۂ دل جھوم کر بولا عبادت ہوگئی

ہوگیا ایستادہ واعظ دیکھکر سر مستیاں
بادۂ توبہ شکن، تسلیم عظمت ہوگئی

دست بستہ نستعین جب میں کہنے کو ہوا
منہ سے نکلا بھی نہیں اور استعانت ہوگئی

اللہ اللہ بادۂ روز ازل میں یہ اثر
ایک ہی جرعہ سے ظاہر کل حقیقت ہوگئی

سرحد قوسین تک اڑتا ہوا آیا نظر
حوصلہ یہ ہوگیا۔ عاجز یہ جرأت ہوگئی

زباں تا بود درد ہاں جائے گیر
ثنائے محمد بود دلپذیر

ازرفیق ادارہ جناب سید صوفی ابوالفرح صاحب رجہتی۔

۱۲ ربیع الاول مطابق ۱۲ اپریل ۵۷۱ء دوشنبہ کے دن صبح ادق کے وقت مکہ معظمہ میں حضور رحمۃ اللعالمین، محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین حضرت رسول مقبول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا ظہور ہوا۔ یہ نور وہی تھا جس کے ظہور پر فضائے بسیط میں مسرت شادمانی اور بہجت وسرور کا شور بلند ہوگیا، عیش وعشرت، فارغ البالی ور خوشحالی کی لہر دوڑ گئی، چرند وپرند، وحش وطیور مسرت کے شادیانے جانے لگے۔ عالم بالا میں شور خرمی برپا ہوگیا۔ اور وہ گھر جس میں یہ نور جلوہ گر وا تھا، انوار بے پایاں کی ضیا ریزیوں اور لمعات آفرینیوں سے ایسا منور ا کہ اس دنیائے آب وگل کے رہنے والوں کو میلوں میل کی چیزیں اتنی اف اور مجلیٰ دکھائی دینے لگیں، جن کا عشر عشیر آفتاب عالم تاب کی ضیا پاشیوں ں بھی دکھائی نہیں دیتا!

چونکہ حضورؐ کے پدر بزرگوار حضرت عبد اللہ اس امانت کبریٰ کو آپ کی الدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ خاتون کے حوالہ کیا اور خود اللہ کو پیارے ہوگئے ھے اس لئے آپ کی والدہ محترمہ اور آپ کے دادا جان حضرت عبد المطلب ی مسرت کا کیا کہنا تھا؟ ہزار جان سے قربان تھے کہ مرنے والے کی یادگار گود ں آگئی ۔۔۔ جب آپ سات دنوں کے ہوئے تو دادا نے بڑے تزک واحتشام ے آپ کا عقیقہ کیا اور تمام قریش کو ایک مکلف دعوت دی۔ اور لوگوں کے ں پوچھنے پر کہ "بچے کا نام کیا رکھا؟" جواب دیا "محمدؐ" (روحی فداک)

اس زمانے میں روساء عرب کا یہ طرہ امتیاز تھا کہ ان کے بچوں کی باتوں میں پرورش و پرداخت کی جاتی تھی، اس لئے آپ اپنی رضاعی ماں رت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دئے گئے جب آپ کامل چھ سال وہاں رہ چکے تو ں آئے۔ اور آپ کی والدہ محترمہ آپ کو مدینہ منورہ لے گئیں۔ ابھی یہاں ہے ہوئے صرف ایک ماہ ہوا تھا کہ مادر مشفقہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو بوڑھے دادا کی گود میں آئے۔ دو سال تک آغوش جد امجد میں رہنے پائے تھے کہ یہ سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، اب آپ اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ساتھ رہنے لگے، شفیق چچا نے بھی اس طرح شفقت سے رکھا کہ اگر پدر بزرگوار حیات ہوتے تو وہ بھی اس سے زیادہ نہ کر سکتے تھے، ہمیشہ اپنے برابر سلاتے اور حزن وملال کو آپ کے پاس پھٹکنے بھی نہ دیتے تھے!

حضورؐ سرور کونین کے بچپن کے حالات میں یہ قلم بند کر دینا بھی ضروری ہے کہ عام بچوں کی طرح نہ تو آپ نے کسی بات کی ضد کی اور نہ ہی خاک دھول میں لوٹے، نہ کسی سے لڑے اور نہ جھگڑے۔ اس عالم میں بھی آپ کا محبوب کھیل ورزش، تیراکی اور تیر اندازی تھا۔

بچپن گذرا تو نوجوانی آئی، اور نوجوانی بھی عرب کی نوجوانی! جس میں ہر جگہ مے خواری، قمار بازی، زنا وفحش کاری اور مستی وسرشاری تھی! مگر آپؐ کی نوجوانی ان تمام خرافات، تمام عیوب اور تمام مخرب اخلاق باتوں سے تمام تر پاک اور مبرا تھی! نہ تو آپ نے کسی سے مذاق واستہزا کیا، نہ بت پرستی کی، نہ کفر وشرک کیا، نہ عدوان وسرکشی، نہ بادۂ گل رنگ کی رنگینی آپ کو اپنی طرف مائل کر سکی، نہ قمار بازی کا فریب کارانہ تخیل آپ کے پاس پھٹک نہ سکا، نہ افسانہ گوئی اور شاعری کی طرف میلان خاطر ہوا اور نہ ہی آپ کی سرگیں آنکھوں نے کسی کی طرف ایک پل بھی دیکھا! اور اس طرح آپ نے نوجوانی، کہ جس کی مدت بارہ سے پچیس سال تک ہے بالکل تجرد میں گذار دی

جب نوجوانی ختم ہوئی اور جوانی آئی، جو کہ دولت سے ہم آغوش ہے تو آپ سے چالیس سالہ بیوہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے شادی کا پیغام بھیجا۔ حضرت خدیجہؓ کچھ ایسی ویسی اور معمولی گھرانے کی نہ تھیں، ان کے تمول کا اندازہ

اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں اگر ایک طرف ان کے مال کا قافلہ تجارت
جوتا تو دوسری طرف تمام مکہ والوں کا قافلہ تجارت بھی مقابلہ نہ کرسکتا تھا
مگر جانتے ہیں انھوں نے سرکار دو جہاںؐ سے شادی کا پیام کب دیا تھا؟ جب
آپ کی شرافت، راست بازی و دیانت داری، بزرگی اور نیک مزاجی اور
معاملہ فہمی کا تجربہ کرلیا تھا، کیونکہ حضورؐ بچپن ہی سے اپنے شفیق چچا کے ساتھ
کاروان تجارت میں شریک رہا کرتے تھے اور اس فن میں وہ مہارت
پیدا کرلی تھی کہ حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت آپؐ ہی کی وساطت سے
دور دراز مقامات میں جایا کرتا تھا۔

سارا عرب اس بے جوڑ شادی پر متحیر تھا اور اس کا یقین رکھتا
تھا کہ ان دونوں کی زندگی کبھی بھی باعث مسرت نہ ہوسکے گی، مگر ایمان کی
بات یہ ہے کہ اس نیک بخت اور شریف خاتون نے وہ کر دکھایا جس کی
مثال کسی عہد میں نہ مل سکی ہے اور نہ مل سکے گی۔ اور اسی لئے قدرت نے
حضرت بی بی خدیجہؓ کو مسلمانوں کی پہلی ماں، رسول اللہؐ کی پہلی بیوی، اسلام کی
پہلی مربی، رحمۃ للعالمینؐ کی پہلی جاں نثار اور کلمہ توحید کی پہلی سرپرست بنایا۔

حضرت بی بی خدیجہؓ کے بعد امہات المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت
ام سلمیٰؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت ام حبیبہؓ،
حضرت صفیہؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت سودہؓ بھی یکے بعد دیگرے شرف
زوجیت سے مشرف ہوئیں، جن میں سے بعض علم و فضل، خطابت و تقریر
حسن و جمال، فیاضی و سخاوت، فداکاری و شان و شکوہ، غیرت مندی و
خدا ترسی میں اور ہر ایک زہد و اتقا میں یگانہ روزگار تھیں۔ اور ہر ایک سے
حضورؐ یکساں سلوک کرتے تھے مگر اس پر بھی جب ام المومنین حضرت خدیجہؓ
کا تذکرہ آجاتا تو حضورؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگتے۔ بعض اوقات
حضرت عائشہؓ فرماتیں، "کیا آپ ایک بوڑھی عورت کو یاد کیا کرتے ہیں؟"
تو آپؐ فرماتے "عائشہؓ! تم کیا جانو؟ انھوں نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب
دنیا میں کوئی میرا نہ تھا، اور اس وقت میری دل جوئی کی جب ذرہ ذرہ بر سر
پرخاش تھا" ــــ یہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنھوں نے اس وقت اسلام
کے لئے اپنا سارا مال و متاع قربان کردیا تھا جب اس کے ہم نواؤں کے لئے
زمین تنگ کی جارہی تھی، کتنے قبیلے دشمن بنے ہوئے جان کے گاہک بن گئے تھے!
حضرت خدیجہؓ ہی رسول اللہؐ کی وہ زوجہ محترمہ تھیں جن کے بطن سے
حضرت ابراہیمؑ کے سوا (کیونکہ یہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے)
قاسم، طیب اور طاہر تین بیٹے اور حضرت فاطمہؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ اور رقیہؓ
بیٹیاں عالم وجود میں آئیں۔ اور یہ حضرت فاطمہؓ وہی ہیں جو خاتون جنت
ہیں اور جن کے دو لال (امام حسنؓ اور امام حسینؓ) میں سے ایک یعنی
امام حسنؓ نے مسلمانوں کی خونریزی کے خوف سے خلافت سے دستبردار ہوئے
اور دوسرے میدان کربلا میں بھوکے اور پیاسے، یزید جیسے فاسق و فاجر
مستبد حکمراں کے خلاف علم بلند کیا اور حق کی حمایت میں سر دیکر سید الشہداء

ازدواج مطہرات کے ساتھ حضرت رسول خداؐ کے سلوک کی

اوپر کی سطروں میں ہلکا سا خاکہ پیش کیا جاچکا ہے اب دیکھئے کہ آپؐ کو
اولاد سے کیسی محبت تھی!

آپ کو اپنی تمام اولاد سے بےحد محبت تھی، حضرت ابراہیمؑ کو دودھ
مدینہ میں ایک دایہ کے یہاں رہتے تھے، دیکھنے کے لئے برابر تشریف لے جاتے
تھے۔ آپ کی بیماری کی اطلاع پاکر فوراً گئے مگر نزع کا عالم دیکھ کر آنسو
لوگوں کے استفسار پر فرمایا کہ "میں بین کرنے، بال نوچنے اور چیخ کر رونے
منع کیا ہے یہ تو محبت و رحمت کے آنسو ہیں، ان پر کس کا قابو چلتا ہے"

حضرت زینبؓ کو اپنے شوہر حضرت ابوالعاص سے بہت محبت
اور یہ بھی حضرت زینبؓ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے، اس
جب حضورؐ یہ سنتے کہ ابوالعاص کا سلوک بیوی کے ساتھ بہت شریفانہ
تو بہت خوش ہوتے۔ اور اتنے خوش ہوتے کہ بار بار اس کی تعریف
اور سب کے سامنے کرتے۔

حضرت زینبؓ کے شوہر جب غزوہ بدر میں گرفتار ہوکر آئے تو
ان کی رہائی کے لئے اپنا ہار بطور فدیہ خدمت نبوی میں پیش کیا۔ ہار
ہی حضورؐ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ صحابہ کرامؓ یہ دیکھ کر بےچین ہوگئے۔
مرضی پر آپؐ نے وہ ہار واپس کردیا اور داماد کو بھی اس وعدہ پر
کہ حضرت زینبؓ کو فوراً مدینہ بھیج دے گا۔ جانتے ہیں یہ ہار کون
یہ وہی ہار تھا جو حضرت خدیجہؓ نے حضرت زینبؓ کو جہیز میں دیا تھا
وہ ہر وقت پہنے رہتی تھیں۔

حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ سے بھی بے حد محبت تھی
حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ، حالات کی غیر معمولی

بی بنا پر ہجرت کرنا پڑی، چنانچہ جب تک ان کی خیریت معلوم نہ ہوئی برابر پریشان
ہتے تھے، اتفاق سے ایک عورت کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ جبش سے
ی ہے، اسے فوراً بلوایا، خیریت دریافت کی، تو اس نے کہا "حضور! دونوں
و عافیت ہیں" — مگر اس جواب سے بھی حضورؐ کی تشفی نہیں ہوئی اور
نے فرمایا "تم دونوں کو دیکھ کر بھی آئی ہو؟" اس نے عرض کیا "جی حضور
دیکھ کر اور مل کر آئی ہوں" یہ سن کر آپ نے فرمایا "اللہ کا شکر ہے!"

حضرت فاطمہ زہرا رضؓ سے آپ کو والہانہ محبت تھی، اور چونکہ تمام
لاد میں صرف یہی ایک باقی رہ گئی تھیں اس لئے اور بھی محبت و شفقت
کز بنی ہوئی تھیں۔ خود حضورؐ آپ کے گھر آتے جاتے تھے اور ذرا سی تکلیف
ی بے تاب ہو جاتے تھے اس لئے ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ
رام و سکون سے رہیں اور میاں بیوی کے تعلقات میں کوئی ناخوشگواری
نے پائے۔ حضرت فاطمہؓ کا مکان کاشانۂ نبویؐ سے قریب ہی تھا، مگر
ی پر بھی جب یہ آپؐ کے یہاں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے پیشانی
مہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے!

ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ حضرت علیؓ (حضرت فاطمہؓ کے شوہر)
ری شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ بے چین ہو گئے اور اسی
سجد نبویؐ میں جا کر ایک تقریر کی جس میں صاف صاف یہ فرما دیا کہ "
فاطمہؓ میری جگر گوشہ ہے جس سے اسے دکھ پہونچے گا اس سے مجھے دکھ
گا" حضرت علیؓ سمجھ گئے، کانپ اٹھے اور اپنے ارادہ سے باز آئے اور
ک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی کا خیال بھی
کیا"

اتنی محبت و شفقت کے باوجود یہ بھی خیال رہے کہ دینی اور مذہبی
ت میں اولاد کی بالکل طرف داری نہیں فرماتے تھے۔ یہی حضرت فاطمہؓ
و ایک دن دربار نبوت میں آئیں اور اپنے ہاتھوں کے چھالے اور مشک
کے داغ دکھاتے ہوئے شفیق باپؐ سے ایک دائی کی درخواست کی
— حضورؐ نے فرمایا "بیٹی! پہلے میں غریب مسلمانوں کا انتظام کروں گا،
ہیں رہے گا تو کسی کو ملے گا!"

حضورؐ کے اخلاق کریمانہ اور خلق عظیم کے ضمن میں جب خود قرآن مجید
ں علی الاعلان کر رہا ہے "انک لعلی خلق عظیم" تو اب انسان

ضعیف البنیان میں تاب کہاں رہتی ہے جو مزید کچھ کہہ سکے اور پھر جب یہ
معلوم ہو کہ آپ مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمائے گئے تو بتائیے
تو سبھی کہ سوائے۔

لایمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بایں ہمہ، ذرا محاسن اخلاق کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ میدان طائف میں
اعلائے کلمۂ حق کے صلے میں اعدائے اسلام کی طرف سے ڈھیلوں اور پتھروں
کی بارش کی جاتی ہے، سرکار دو جہاںؐ خون سے لت پت ہو جاتے ہیں دندان
مبارک شہید ہوتے ہیں، جان نثاران و فدا کاران اعدا کے مغضوب ہونے
کی دعا کرنے کے لئے زور دیتے ہیں، مگر مجسمہ نور، سراپائے رحمت و رافت اور
پیکر اخلاق عظیم کے دہان مبارک سے اگر کچھ نکلتا ہے تو یہی اللّٰھم اھد
قومی فانھم لا یعلمون۔ دراں حالیکہ اس وقت حضور کے صرف
ایک اشارہ چشم و ابرو پر قدرت طرف سے اعدائے نبی و دین اسلام کے لئے
ایسا دردناک عذاب نازل ہو سکتا تھا کہ ان کا دیکھنا تو درکنار، ان کے سننے
سے دل دہل جاتے اور اصنام ساکت و صامت کی طرح کھڑے کے کھڑے
رہ جاتے!

دنیا جانتی ہے کہ معاندین اور مخالفین پر ایک حریف غلبہ پا جاتا
ہے تو انھیں اس طرح سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور معاشی مجبوریوں میں گھیر
دیتا ہے کہ کم سے کم ایک صدی آیندہ کے لئے ان کے دلوں سے طغیان و
سرکشی حرف غلط کی طرح مٹ جائے۔ اور اس کے ثبوت میں آپ چاہے
جہاں کی بھی تاریخ چاہیں، اٹھا کر دیکھ لیں کہ امریکہ ہو یا برطانیہ، چین ہو یا جاپان
ہندوستان ہو یا افغانستان، عراق ہو یا شام اور ایران ہو یا توران سب برابر
ہیں اور اس معاملہ میں سب ایک ہی زلف کے اسیر ہیں! —— لیکن
جب آپ حضورؐ کے عہد معدلت مہد کی تاریخ اٹھائیں گے اور فتح مکہ کی تفصیل
دیکھیں گے تو یقینی آپ متحیر اور انگشت بدنداں ہو جائیں گے کہ اس دن
جب کہ آپ ایک کامیاب کمانڈر، کامیاب جنرل اور فاتح اعظم کی حیثیت
سے مکہ میں داخل ہوئے تو جتنے معاندین مخالفین، اور دشمنان دین تھے وہ
دل ہی دل میں دہلنے لگے، کیونکہ انھیں اپنے وہ کرتوت اور اپنی طرف سے
دی گئی اذیتیں اور صعوبتیں یاد آ رہی تھیں اور بالآخر انھوں نے اس کا

…ئے قتل کے اور دوسری نہیں ہو

یقین محکم کرلیا تھا کہ ہم لوگوں کی سزا سوائے قتل بھی دی جاتی
نہیں سکتی:- اور حق بھی یہی ہے کہ اگر انھیں سزائے آپ نے
تو بھی کم تھی، کیونکہ انھوں نے حضورؐ کے قیام مکہ کے دوران میں
اور آپ کے جاں نثاروں پر وہ وہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے
جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان جاں بازوں کی ہمت
اور استقلال پر بے ساختہ داد نکلتی ہے:-

فتح مکہ کے بعد جب حضور نے تمام مجرمین سے دریافت فرمایا کہ تمھیں
مجھ سے کیسی امید ہے؟" تو کہتے
ہیں وہ جیسی ایک بھائی کو شریف
بھائی سے! " اور یہ سنتے ہی
حضورؐ روحی فداک نے سبھوں
کو مژدہ بخشش عطا فرمایا۔ حد تو
یہ کر دی کہ اپنی جگر گوشہ حضرت
زینبؓ کے قاتل ہبار (جس کے
نیزے کے صدمے سے آپ کا وصال
ہوا تھا) کو بھی چھوڑ دیا۔

یہ کیا ہے؟ یہ آپ کے
خلق عظیم کی زندہ جاوید مثال
ہے! کیا دنیا کی تاریخ اس کی نظیر
پیش کرسکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں
حضورؐ احمد مختار امی
ہونے کے باوجود تمام علوم اولین
و آخرین میں یگانہ روزگار تھے۔

اسی لئے بچپن، نوجوانی، جوانی اور پردہ فرمانے کے وقت تک میں اپنے تدبر
حسن انتظام سیاست و مساوات کے عدیم المثال کارنامے چھوڑے ہیں۔
جس کی ایک نظیر "حجر اسود" کا معاملہ ہے کہ جب حضورؐ کی عمر شریف ۳۵ سال
کی تھی تو ایک بار زبردست مینہ برسا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام سربفلک
عمارتوں کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ شرفہا اللہ تعالیٰ کی بنیادیں بھی متزلزل
ہوگئیں۔ پھر خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر ہوئی۔ جب حجر اسود کے نصب کرنے کا

سوال اٹھا تو تمام قبائل اس سعادت کا حقدار خود کو بتانے لگے۔
طے پایا کہ کل جو آدمی سب سے پہلے خانہ کعبہ میں پہنچ جائے اس کا فیصلہ
لوگ مان لیں گے۔ دوسرے دن قبائل عرب کی نگاہوں نے
میں جو دیکھا تو خوشی سے پھڑک اٹھے کہ ان کا "امین" اور
صادق" پہلے سے تشریف فرما ہے۔ فیصلہ ملاحظہ ہو۔ آپ نے
کہ وہ ایک چادر میں میں حجر اسود رکھ دوں گا اور تمام قبائل اس
اٹھالیں۔ پھر حجر اسود کو میں ہی نصب کردوں گا" اس انمول
پہ ہر طرف سے صدائے تحسین
و آفرین بلند ہونے لگی اور
پر عمل ہوا۔

الغرض اسی طرح
سے پہلے اور نبوت کے بعد
امن کا عالم رہا یا جنگ کا
معاملہ رہا یا قبائل کا، امرا کا
رہا یا غربا کا، آقا کا رہا یا غلام
دین کا رہا یا دنیا کا نزدیک
یا دور کا اور دوست کا
دشمن کا ہر ایک میں آپ نے
تنظیم اور سیاست کے وہ
نقش پائدار ثبت فرمایا
آج کی متمدن اور سویلائزڈ
انھیں کی خوشہ چینی سے بہرہ
فیض یاب ہو رہی ہے اور
تک ہوتی رہے گی۔

حضورؐ کا دستور تھا کہ جب کہیں گورنر، کلکٹر، قاضی یا سپہ
کا تقرر فرماتے یا انسپکٹر کی بحالی کرتے تو بہت جانچ پڑتال کے بعد
جس میں ان کے تجربہ علمی اور معاملہ فہمی کا زیادہ خیال رکھا جاتا
اور کبھی بھی ایک شخص کو ایک جگہ پر زیادہ دنوں تک نہیں رہنے دیتے
تھے (جس کی نقل حکومت انگلشیہ نے کی اور اسے اپنی دانش

کیا لینے آیا

بہ موقع حاضری بہ درگاہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ

از

سرتاج الوکلاء حضرت عبدالرب صاحب کیفؔ ایڈوکیٹ

در پاک پہ کیفؔ کیا لینے آیا
بہ کشکول صدق و صفا لینے آیا
الم کی، نہ غم کی دوا لینے آیا
مہک جس سے یثرب کی آتی ہے پیہم
عقیدت کا جامہ غلامی کا خلعت
گداؤں کو ملتا ہے خرقہ یہیں سے
رہیں دوزخ و جنت اپنی جگہ پر

خدا، مصطفیٰ، مرتضیٰ لینے آیا
بکاسہ دُرِ مدعا لینے آیا
دل اک درد بے انتہا لینے آیا
وہ خوشبوئے باد صبا لینے آیا
درِ شاہ سے اک گدا لینے آیا
فقیری کی میں بھی قبا لینے آیا
یہاں میں رضائے خدا لینے آیا

در معرفت دست لرزاں سے وا ہو
دل کیفؔ یہ مدعا لینے آیا

اور معاملہ نہیں ظاہر کی)۔ اُن کے ذمہ فرائض منصبی سے متعلق امور کے
علاوہ تبلیغ کا کام بھی سپرد کیا جاتا تھا۔ اور وہ تمام حضرات اسے بطریق
احسن انجام دیتے تھے اور حضورؐ خصوصیت کے ساتھ ہر ایک کو اس کی بھی
تاکید فرماتے تھے کہ (۱) لوگوں کو بشارت دینا (۲) دہشت زدہ نہ کرنا
(۳) دشواری نہ پیدا کرنا (۴) اختلاف نہ ہونے دینا (۵) اتفاق
قائم رکھنا (۶) ہر شخص سے خوش اخلاقی سے پیش آنا (۷) نہ سختی کرنا اور
عذاب کرنا۔

چالیس سال کی عمر میں حضورؐ سرفراز نبوت ہوئے اور غور فرمائیے
اعلان نبوت ہوتا بھی ہے تو اس سرزمین میں جو تعلیم و تربیت، تمدن و
سیاست، حلم و مروت اور محبت و شفقت سے بالکل بیگانہ ہو چکی
تھی، جہاں دہشت بربریت جوانیت اور بہیمیت، ظلم و ستم، قتل و غارت
گری، قمار بازی، اور شراب خواری کا بازار گرم رہتا تھا، ذرا ذرا
سی بات پر سیکڑوں برس باقاعدہ جنگ ہوا کرتی اور زمین پر انسانی
سروں کی بارش کو دیکھ کر ہر فریق جامے میں پھولا نہ سماتا اور اسے
باعث فخر و مباہات تصور کرتا۔ نہ چوری اور ڈکیتی میں حجاب مانع
ہوتا، نہ خونریزی اور قتل و غارت گری میں ندامت کا ہلکا سا عکس
دکھائی دیتا، نہ غلاموں کے ساتھ انسانوں کے جیسا سلوک روا رکھا جاتا
اور نہ ظلم و ستم اور دہشت و بربریت میں شرم محسوس ہوتی۔ مگر داماد بنانے
کو انتہائی ذلت تصور کرتے اور اسی خیال کے تحت اپنی خوبصورت، گوری
چٹی اور معصوم بچیوں کو، دنیا میں قدم رکھتے ہی زندہ دفن کر دیتے یا ان کی
نازک گردنوں کو اپنے خونی پنجوں سے دبا کر ان کا کام تمام کر دیتے تھے!
بسا اوقات تو ایسا بھی ہوا ہے کہ ماں نے اپنی بچی کو باپ کی نظروں سے
بچا چھپا کر چار پانچ سال رکھا کہ ممکن ہے بچ جائے اور اس کی میٹھی
میٹھی بولیوں سے باپ کا دل پسیج جائے مگر وہاں تو کچھ اور ہی نشہ تھا
جہاں باپ کی نظر اس پر پڑی، وہ غیظ و غضب اور قہر و جلال کا پیکر بنا
اور اسے گھسیٹ کر یا بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے چلتا اور اس گڈھے
میں جس کو وہ پہلے ہی تیار کر لیتا تھا، ڈھکیل دیتا اور اوپر سے مٹی
دینا شروع کر دیتا —— اور بچی اپنی میٹھی بولیوں سے "ابا ابا"،
کی رٹ لگائی رہتی —— یہاں تک کہ مٹی کے انبار میں وہ میٹھی بولی
ہمیشہ کے لیے دب جاتی اور یہ خوش و خرم اپنی منڈلی میں آیا اور اپنے سیاہ
کارنامے کو بطور فخر بیان کرنے لگتا!

حق تو یہ ہے کہ اس کٹھن وقت میں اس نازک دور میں ایسی کایا
پلٹ کر دینی اور ظالموں، سفاکوں، بدکاروں، قزاقوں، بے ادب متکبروں
کو مہر و پیار، رافت و رحمت، نیکی و سعادت، امانت و دیانت، دین
داری و پرہیزگاری اور عجز و انکسار کا مکمل نمونہ بنا دینا اور خوف خدا کو ان کے
دلوں میں جاگزیں کر دینا بھی آپ ہی کا معجزہ تھا! پھر یہ بھی تعلیمات نبوی
ہی کا اثر تھا کہ عرب کے تپتے اور جھلستے ریگ زاروں پر پرستاران
توحید کو ننگے بدن گھسیٹا جاتا، ان کے نازک جسموں پر گرم گرم پتھر اور
لوہے کی جلتی اور لہکتی ہوئی سلاخیں رکھی جاتیں۔ مگر یہ سوائے احد
احد کے اور کچھ نہیں کہتے تھے!

اعلان نبوت کے بعد جب مسلمانوں پر قریش اور عرب کے
دوسرے قبائل نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تو پہلے یہ سب کچھ برداشت
کرتے ہوئے مکہ ہی میں رہے۔ مگر پھر آپس کے مشورے سے کچھ مسلمانوں نے
حبشہ کی طرف ہجرت کی جہاں کے رحمدل شہنشاہ نجاشی نے ان کا
پرتپاک خیر مقدم، انھیں بڑی عزت و تکریم کے ساتھ پناہ دی اور
قریش کے مسلسل اصرار اور پیہم دوڑ دھوپ کے باوجود انھیں نہ تو
دشمنوں کے حوالہ کیا اور نہ ان کے اعزاز میں کمی کی!

مگر آقائے دو جہاںؐ کے پائے استقلال ذرا بھی غیر متزلزل نہ ہوئے
اور کامل گیارہ سال اسی عالم میں بسر کیا —— آخر جب اللہ تعالیٰ کا
حکم ہوا تو آپ نے اپنے رفیق غار حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے
ہمراہ مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی جہاں آپ کے قدوم میمنت لزوم کی
مسرت میں مسرت و بہجت کے شادیانے بجائے گئے اور

نخل بستان مدینہ از تو سرسبز مدام

ہوگیا:-

مدینہ منورہ سے تین میل پہلے حضورؐ نے قبا میں قیام فرمایا۔ اور اس
کے چودہ دنوں کے بعد حضرت ایوب انصاریؓ کے مکان میں فروکش
ہوئے۔ اوپر کی منزل میں حضرت ایوب انصاری رہتے تھے اور منزل
زیریں آپ کا قیام تھا۔

جاڑے کا موسم تھا، اتفاق سے گھڑا ٹوٹ گیا اور گھر میں ایک ہی لحاف تھا، مگر عقیدت ملاحظہ ہو۔ جلدی جلدی اسی لحاف سے سارا پانی جذب کر لیا تاکہ چھت سے نیچے پانی نہ ٹپک سکے۔

قیام مدینہ کے گیارہ سال میں تمام علوم ظاہری اور باطنی کی اس طرح تعلیم فرمائی کہ ہر فرد بشر علم و اخلاق، جد و جہد، سعی و عمل، مواخات و مساوات، عدل و انصاف محبت و شفقت، رافت و رحمت، خشیت و رقیت اور زہد و اتقا کا پیکر بن گیا۔ اور اسلام کی وہ کرن جو مکہ میں نمودار ہوئی تھی سارے عرب میں جگمگانے لگی! اور نور محمدی کے انوار لایزالی پاس پڑوس کے ممالک کے در و دیوار پر ضیا پاشیاں کرنے لگے۔

حجرہ عائشہ کا چمکتا چاند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے سے کچھ پہلے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض نے خواب میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند ہیں، ــــ چنانچہ اس کی تعبیر اپنے والد اور اس زمانے کے مشہور معبر حضرت ابوبکر صدیق رض سے دریافت فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رض اس وقت خاموش رہے۔ مگر جب حجرہ عائشہ رض کو حضور کی آخری آرام گاہ کے لئے منتخب کیا گیا اور جسم اطہر کو رکھا جانے لگا تو حضرت صدیق رض نے حضرت عائشہ سے فرمایا "عائشہ رض! تین چاند کے پہلے یہی ہیں!

ــــ اور آج اسی حجرہ عائشہ رض کو جہاں سرکار دو جہاں ؐ، حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت عمر فاروق رض آرام فرما ہیں گنبد خضرا کہتے ہیں اور اسی کی سنہری جالیوں کو تھام کر خدام اس طرح کہتے ہیں

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید المرسلین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ اللعالمین
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وبارک وسلم

سانحہ ارتحال

دنیائے سنیت کے آنسو ابھی امیر طریقت کی اچانک جدائی سے خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ قلب تڑپا دینے اور روح کو بے چین کر دینے والا دوسرا حادثہ ظہور پذیر ہو گیا حضرت مولانا مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب قادری فضل الرحمانی دہلوی ثم لکھنوی ۴-۵ یوم کی معمولی علالت کے بعد ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۵۴ء مطابق ۲۸ صفر المظفر بوقت صبح ۱۱ بجے بروز چہار شنبہ کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا موصوف کی زندگی تبلیغ اسلام اور دین محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت کے لئے ہمیشہ وقف رہی مولانا عالم سنیت کے ایک نڈر بہادر اور کھرے سپاہی تھے وہابیت اور عقائد باطلہ کی رد کرنے میں نہ تو مولانا بڑی سے بڑی عزیز داری تعلقات کا لحاظ فرماتے تھے نہ بڑے سے بڑے نقصان کی پرواہ تھی۔ لکھنؤ اور خاصکر محلہ محمود نگر کی وہابی گدلاہ فضا میں بھی مولانا نے بڑی بڑی مخالفتوں اور جانی و مالی دشمنیوں کا پامردی سے مقابلہ فرمایا لکھنؤ کے چند وہ اعزہ جنکو وہابیت کا سیاہ پردہ قلبوں کو سیاہ کئے ہوئے تھا اور وہ نہ تو قائل کرنا چاہتے تھے اور نہ قائل ہونا بلکہ اپنی ضد پر قائم رہنا ہی چاہتے تھے مولانا اپنی ساری زندگی ان سے ملنے کے روادار نہ تھے اور نہ کبھی ملے۔ یوں تو کل نفس ذائقۃ الموت۔ کے مصداق ہر نفس کو اس لذت سے آشنا ہونا ہے مگر بعض اموات بڑی اندوہ ناک اور لرزہ براندام ہوتی ہیں مولانا نذیر حسین صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین و مریدین ہند و پاکستان کے گوشہ گوشہ میں ہیں مولانا برس ہا برس سے ہر سال بمبئی کلکتہ مدراس اور دیگر مقامات پر تشریف لے جاتے تھے ابکی سال محرم میں بھی مولانا کلیان تشریف لے گئے اور اپنے مواعظ حسنہ سے اہل کلیان کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ بعد واپسی ایک یوم کے لئے ریاست نانپارہ مولانا رجب علی صاحب کی دعوت پر عرس میں تشریف لے گئے اور وہاں اپنی آخری معرکۃ الآرا تقریر فرمائی دوسرے دن بعد نماز ظہر مسجد ہی میں پھ[illegible] ہوئی اور دو تین استفراغ ہوئے اور وہیں ضرب فالج کا خفیف سا حملہ ہوا مولانا مکان تشریف لائے اور وہاں کے مشہور و اطبا کا علاج کرایا کہ اچانک حرکت قلب بند ہو گئی سب سے زیادہ ۴۴

۴۴ دکھ اس بات کا ہے کہ مولانا اپنے پسماندگان میں چھوٹے چھوٹے بچوں بچیوں کو چھوڑ گئے۔ ادارہ پاسباں کا پورا عملہ خدا وند قدوس

پاسباں الہ آباد
دسمبر ۱۹۵۴ء
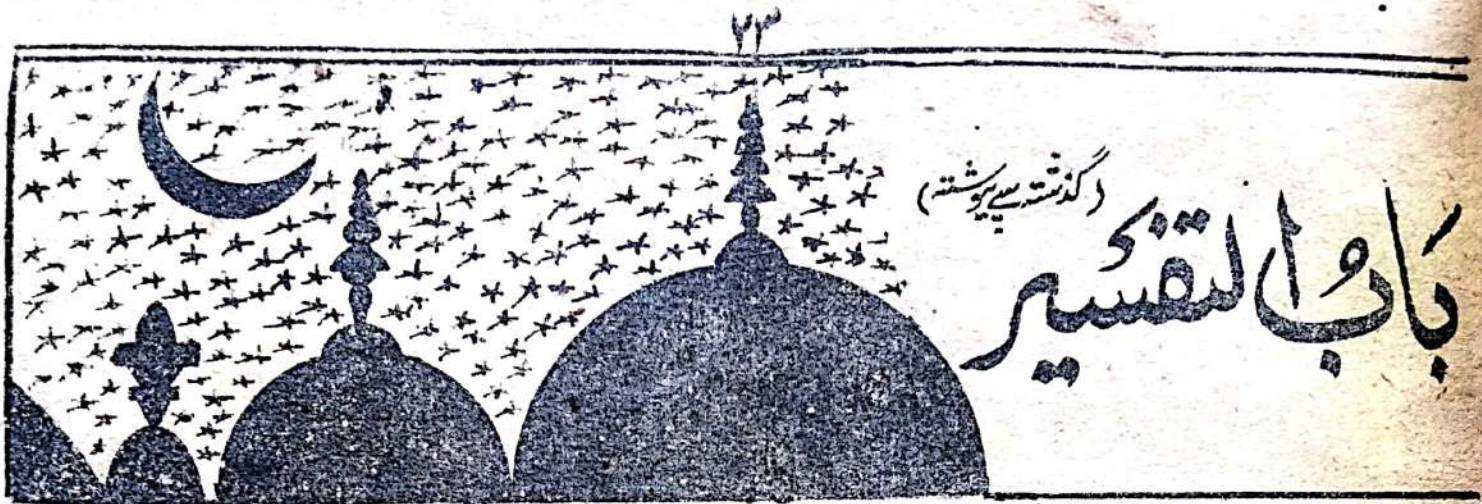
ازبحر العلوم رئیس المفسرین حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مفتی آگرہ ناظم اعلیٰ آل انڈیا تبلیغ سیرت

مالکِ یومِ الدین ۔ روز جزا کا مالک

یعنی باری تعالیٰ اس روز کا مالک ہے جس روز ہر شخص کے کردار کے بدلے دئے جائیں گے۔

(مالک) حسب حکم عاصم۔ کسائی۔ یعقوب سے مالک کی روایت منقول ہے اور دوسروں سے مَلِک کی۔

(۱) بلغار عرب کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ مالک اور مَلِک دونوں لفظ ہم معنیٰ ہیں جیسے فارہین اور فرہین۔ حاذرین اور حذرین کیونکہ مالک اور مَلِک دونوں کے معنیٰ رب کے ہیں اسی لئے گھر کے مالک کو رب الدار اور مالک الدار دونوں بولا جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کائنات کو عدم سے وجود میں لانے پر قدرت رکھنے والے کو مالک کہتے ہیں۔ اس تعریف کے بنا پر سوا باری تعالیٰ کے کوئی دوسرا مالک نہیں ہو سکتا۔

(۲) حضرت ابو عبیدہ کا یہ ارشاد ہے کہ مالک کا لفظ مَلِک کے لفظ سے زیادہ وسیع اور جامع ہے جس کی پہلی وجہ یہ ہے مالکُ العبد والطیر والدواب یعنی جانور۔ پرندوں اور غلاموں کا مالک تو کہا جاتا ہے لیکن جانوروں اور پرندوں اور غلاموں کا مَلِک نہیں کہا جاتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مَلِک کے لئے مالک ہونا ضروری ہے مگر ہر مالک کے لئے مَلِک ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۳) تیسرے گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس جگہ مَلِک کا لفظ قرآن پاک کے اور دوسرے مقامات کے موافق ہے جیسے فتعالی اللہ الملک اور الملک القدوس اور ملک الناس اس لئے اس مقام پر بھی مَلِک ہی کا لفظ زیادہ مناسب ہے۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مالکِ الدین سے مراد قاضی یوم الحساب یعنی روز حساب کا قاضی ہے۔

(الدین) حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ دین کے معنیٰ جزا او بدلہ، خواہ اچھائی کا ہو یا برائی کا ہر قسم کے بدلے کو دین کہتے ہیں اسی وجہ سے عرب کا یہ محاورہ مشہور ہے کہ کما تدین تدان یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

یمان ابن ریان فرماتے ہیں کہ دین کے معنیٰ قہر کے ہیں بعضوں نے یہ بھی فرمایا کہ دین کے معنیٰ طاعت کے ہیں بہر کیف دین کے جو بھی معنیٰ مراد لئے جائیں ترجمہ یہی ہوگا کہ روز جزا کا مالک

اس مقام پر وجہ تخصیص کا سوال باقی رہتا ہے۔

اسی لئے مفسرین کرام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگرچہ باری تعالیٰ ہر چیز کا ہر ہر لمحہ مالک اتم ہے لیکن چونکہ قیامت کے روز ہر شخص کی ملکیت کا ازالہ ہو جائیگا اور کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہ رہ جائیگا اس لئے پروردگار عالم نے اپنی شان ربوبیت اور الوہیت کا اظہار فرمایا ہے کہ اے کائنات کے بسنے والو مجازی اور فانی ملکیتوں میں اپنی زندگی کے خزانہ کو لٹا دینے والو ہوش کے ساتھ سنو کہ روز جزا کا مالک بھی میرے سوا کوئی نہیں ہے جس کے طرف مالکِ یومِ الدین کے ذریعہ اشارہ فرمایا اگرچہ اس مفہوم کو قرآن پاک نے دیگر مقامات پر بھی ارشاد فرمایا ہے کہ الملک یومئذ الحق الرحمٰن اور لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار ۱۱ور

اعلانات

میں آپ کی تمنا ہوں

اگر آپ کو عظمت مصطفیٰ کو پڑھ کر دلوں
جلا پیدا کرنے کی تمنا ہے یا سلطنت دو جہاں
کے غلاموں کے اخلاق و کردار معلوم کرنے
کی خواہش ہے یا اہلبیت اطہار کی محبت کو
حاصل کر کے ان کے پیارے نانا کی محبت حاصل
کرنے کی جستجو ہے یا شہنشاہ بغداد کے
غلاموں کی جھرمٹ میں داخل ہونے کی تڑپ
ہے یا سرکار اجمیر کے دربار سے کامیابی کے طریقے معلوم
کرنے کی امنگ ہے، یا دربار کلیر سے اپنے
قلب کو منور کرنے کو جی چاہتا ہے یا عقائد
حقہ کو صحیح طور پر آپ معلوم کرنے کے لیے
آپ بے چین ہیں یا زبان اردو کے مخالف
سوالوں کا دنداں شکن جواب دیکھنا چاہتے
ہوں یا مسلمانوں کے بیباک و نڈر ترجمان
سے آپ کو لگاؤ ہے تو مجھے دیکھئے میں آپ ہی
لوگوں کی تمناؤں کی تمنا بنکر آپ ہی لوگوں کی خدمت
میں کئی سال سے افق صحافت میں چمک رہا ہوں
جانتے ہیں؟ کہ آپ کے تمنا کا سالانہ نذرانہ کیا ہے صرف ۵ر
ذیل کے پتہ پر آج ہی بذریعہ منی آرڈر روانہ
فرما دیں میں آپ کی خدمت میں خود ہی حاضر ہو جایا کرونگا

فقط (آپ کا) پاسبان۔

دفتر پاسبان، دائرہ شاہ اجمل
نمبر ۲۲۵ الہ آباد نمبر ۳

دار العلوم
جامعہ حبیبیہ

مجاہد ملت مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت
کے زیر سرپرستی یہ دینی ادارہ برسہا برس سے تعلیمی خدمات انجام دے رہا
ہے ملک کے مختلف گوشے میں جامع حبیبیہ کے متعلقین دین کا
ڈنکا بجا رہے ہیں اہل خیر حضرات کو متوجہ ہونا چاہیے

دار العلوم جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم
دریا آباد الہ آباد
نمبر ۳

نرخنامہ اشتہارات

(اندر صفحہ)

	فی اشاعت	ٹائٹل صفحہ
پورا صفحہ	50/-/-	70/-
نصف صفحہ	30/-/-	40/-/-
چوتھائی صفحہ	15/-/-	20/-

پاسبان کے خریداروں کو خوشخبری

تحریک جماعت اسلامی کے علاوہ ادارہ پاسبان کی طرف سے اور بھی بعض ضروری کتابیں طبع ہو رہی ہیں جو خریداروں کو مفت دی جائیں گی۔ جس کا اعلان ہم دوسرے میں دیں گے۔

منیجر۔

شرائط ایجنسی
ماہنامہ پاسبان الہ آباد

(۱) ہر ایجنٹ کو ۲۰ کاپیوں سے ۴۰ کاپیوں تک ۳۰ فیصدی کمیشن دیا جائے گا اور ۴۰ سے زائد کاپیوں پر ۳۳ فیصدی اور ۲۰ سے کم پر ۲۵ فیصدی کمیشن دیا جائے گا۔

(۲) تمام مطلوبہ پرچے بذریعہ وی۔ پی روانہ کیے جائیں گے۔

(۳) دس پرچوں سے کم پر مستقل ایجنسی نہیں دی جائے گی۔

(۴) پرچے روانہ کرنے میں ڈاک کے مصارف دفتر کے ذمے ہوں گے۔

(۵) مقررہ تعداد سے زیادہ یا کم پرچوں کے لئے زیادہ سے زیادہ مہینہ کی بیس تاریخ تک دفتر کو مطلع کرنا ہوگا۔ ورنہ دفتر تعمیل حکم سے معذور ہوگا۔

(۶) ہر ایجنٹ کو دفتر سے شائع ہونیوالے دوہینڈ بل لگوانے ہوں گے۔

(۷) باقی کاپیاں واپس نہ لی جائیں گی۔

(۸) ایجنسی منقطع کرنے کے لئے ایک ماہ قبل اطلاع دینی ہوگی۔

منیجر
ماہنامہ پاسبان الہ آباد
دائرہ شاہ اجمل نمبر ۲۲۵ الہ آباد نمبر ۳

اُسوۂ حسنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

از رفیق ادارہ رئیس التحریر مولانا سید اکم حسینی صاحب آرزو مدیر

مرحبا صَلِّ علیٰ ہست ثنا خوانِ رسولؐ
اے صبا اے پیکِ مشتاقان بدرگاہِ نبیؐ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ۝ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس شخص کے لئے ضرور ایک بہترین نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے پیش ہونے اور روزِ جزا کی پرسش کا یقین رکھتا ہو۔ اور اللہ کے ذکر میں زیادہ حصہ لیتا ہو۔

اُسوہ۔ ایسے پسندیدہ نمونہ کو کہتے ہیں جو مقبولِ عام ومرغوب انام ہو۔ پھر اس کے ساتھ "حسنہ" کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ وہ نمونہ احسن و اکمل ہے۔

اس مبارک نمونے کی اتباع کا شرف حاصل کرنے میں شرطیں عائد کی گئی ہیں۔

(۱) حیات بعد الموت کا یقین۔ (۲) روزِ حساب کی عاقبت اندیشی (۳) ذکرِ الٰہی میں مشغولیت اس میں یہ راز مضمر ہے کہ انسان بالطبع اسی کی تقلید کرنا پسند کرتا ہے جس سے محبت ہو یا جس سے عظمت و وقار حاصل ہو۔ اس کے برعکس جذبہ منافرت چونکہ محاسن پر پردہ ڈال کر معائب کو پیش کرتا ہے۔ پھر عادات واطوار اور طرزِ عمل کیسے پسند آئیں گے۔ یعنی جو صاحبِ ایمان نہ ہو۔ روزِ جزا کا یقین نہ رکھتا ہو۔ مادہ پرستی اور نفس پروری کو مقصدِ حیات سمجھتا ہو۔ اسکو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کیا نسبت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے کیا سروکار۔

مسلمان اگر غور کریں کہ ہم کو حضور اکرم صلعم کی اتباع کیوں ضروری ہے؟ تو بشرطیکہ حرارت ایمانی جو رگ و پے میں خون کی طرح دوڑتی تھی سرد نہ ہوئی ہو۔ شمعِ ایمان ہوا و ہوس کے جھونکوں سے بجھ نہ گئی ہو۔ دل کی گہرائیوں سے یہ صدا بلند ہوگی۔

صد سلامِ من بجسمِ پاک و بر جانِ رسولؐ
گو سلامم دست بستہ پیشِ ایوانِ رسولؐ

اے انسان! عقل وفراست کی جولانیاں دکھا کر آسمان کے ستارے توڑ لانے کی کوشش کرتا ہے۔ زمین و آسمان کے قلابے ملانے کی فکر میں ہے۔ مگر

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ برآسماں نیز پرداختی

کبھی اپنی اصلیت اور حقیقت پر بھی تو نے غور کیا کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اور لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ ۝ نفس پرستی اور ہوا و ہوس کی غلامی کے لئے نہیں۔ ارشاد ہوا۔ بلکہ اس طرح آگاہ و خبردار کرنا مقصود تھا کہ اے عظیم المرتبت انسان شرف وامتیاز حاصل کرنے کی خاطر اپنی زندگی کے ہر لمحہ اور ہر قول وفعل کو مالک کی فرمانبرداری ورضا جوئی کے لئے وقف کردے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نمونہ زندگی کو پیش نظر رکھ تاکہ اس طرح انسانیت کی معراج اور کمال عبدیت سے دوجہاں میں ممتاز اور مشرف رہ سکے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے گئے۔ ان میں سے ہزاروں کے نام ونشاں تک روشناس نہیں کرایا گیا۔ جن انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے خاص خاص واقعات عبرت وموعظت کی خاطر بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے بھی عہد تا لحد کے حالات واضح نہیں۔ لیکن رسول مقبول محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ بھی ایک اعجاز ہے

کہ اس پیکرِ نور کی مبارک زندگی کا ہر پہلو روشن اور ہدایت بخش ہے۔ خلوت وجلوت میں سایہ کی طرح ساتھ رہنے والے اصحاب نے ہر نقش قدم کو نشانِ منزلِ مقصود سمجھ کر آنکھوں سے لگایا۔ چشم دید حالات سے اوروں کو آگاہ کیا۔ اور خود عمل پیرا ہو کر ثابت کر دیا کہ جس حمیدہ صفات ذات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے "اسوۂ حسنہ" قرار دیا ہے۔ فی الحقیقت یہ خطاب اسم بامسمّیٰ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایثار وخلوص، تسلیم ورضا، عبادات اور توکل علی اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ ظاہر فرمایا ہے اور بیشک یہ تمام اوصاف حسنہ لائق اتباع ہیں۔ لیکن انکی مبارک زندگی میں سیاست وحکومت، عدل وانصاف، عفو وبخشش اور معرکہ آرائیوں کے گوناگوں واقعات پر کہیں روشنی نہیں ڈالی گئی شاید اس میں یہ مصلحت ہو کہ ملت بیضا دین حنیف یا ملت ابراہیم سے دین اسلام ہی مراد ہے۔ اور أَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِیْهِ کے مصداق امور متذکرہ کا مکمل نمونہ آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آئینہ میں صاف ظاہر ہے۔ علاوہ بریں جو اوصاف حمیدہ اور محاسن خصوصی تمام انبیاء مرسلین کے لئے فرداً فرداً وجہ امتیاز تھے وہ مجموعی طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں رونما تھے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت جلوہ گر تھی کہ اگلی پچھلی خطاؤں سے معافی کی بشارت ملنے کے باوجود ندامت وپشیمانی دامنگیر تھی۔ خوف قیامت سے لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی امت کی طرح کفار قریش نے حضور کی تعلیمات وہدایات سے بے اعتنائی برتی لیکن مستعدی اور ثابت قدمی سے تبلیغ فرماتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ایثار وخلوص فدویت اور توکل علی اللہ۔ ایوب علیہ السلام کے مانند جسمانی وروحانی صدمات میں صبر وشکر کا اظہار فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح جب مکہ فتح ہوا۔ بجائے ناز ونخوت سرِ نیاز جھکائے ہوئے تسبیح وتحمید میں مصروف رہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح زاہدانہ ومتوکلانہ زندگی بسر کی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح خشوع وخضوع، یعقوب علیہ السلام کی طرح ضبط وتحمل سے کام لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بقدرت الٰہی مردوں کو زندہ کیا اور بیماروں کو شفا بخشی تو حضور نے مردہ دل اور کفر وضلالت میں ڈوبی ہوئی دنیا کو حیات جاوید اور باطنی سے شفا بخشی۔

پروانوں کا شمع پر جل کر خاک ہو جانا کمال عشق نہیں بلکہ خود شمع بن جانا ہے کہ اس طرح بقائے دوام حاصل ہو یہی معراج محبت ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شمع نبوت اور [illegible] ہدایت کے پروانے صرف جذبہ فدویت وجاں نثاری ہی میں سبقت نہیں لے گئے بلکہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کا حق اتباع سے جو عملی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس کی نظیر کسی قوم۔ کسی ملک اور کسی ملت کی پیروی والوں میں نہیں مل سکتی۔

پھر ایسی سرزمین میں جہاں قتل وخون اور ظلم واستبداد شغل تفریح تھا۔ تہذیب وشائستگی کی ہوا تک نہیں لگی تھی۔ حیا سوز کارنامے بیان کرنا لائق فخر سمجھا جاتا تھا۔ گناہوں کا احساس مٹ چکا تھا۔ رسم ورواج کی لعنت گلے کا ہار تھی۔ گنتی کے چند سال میں ایسا انقلاب عظیم رونما ہوتا کہ معائب محاسن سے بدل جائیں۔ رگ وپے میں پھیلے ہوئے بغض وحسد کی بجائے ایثار وہمدردی

لطیفہ

کسی دیوبندی مولوی نے اہلسنت کے مولوی صاحب کو یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ اس کا جواب دو تو مولوی صاحب سے جواب لکھا جو معہ سوال وجواب درج ذیل ہے۔

دیوبندی کا سوال،

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

سُنّی کا جواب

وہ "چندہ" ہے نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے

جان نثاری کے جذبات جاری وساری ہو جائیں۔ پرستارانِ باطل حفظ ایمان کی خاطر جان قربان کرنے میں تامل نہ کریں۔ یہ حقیقی اسلامی اسوۂ حسنہ کی اتباع کا خوشگوار نتیجہ تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی اعرابی نے دریافت کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ کیا تم نے قرآن مجید کی تلاوت نہیں کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم احکام ربانی وتعلیمات قرآنی کا عملی نمونہ تھے جن امور کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے ان کی خوشی خوشی تعمیل کرتے تھے اور جن افعال سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان سے قطعاً احتراز کرتے تھے۔

اس طرح رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم کا ہر عمل خواہ وہ دنیا سے تعلق ہو یا دین سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی کے لئے ہوتا تھا۔ سونا۔ جاگنا۔ چلنا پھرنا کھانا پینا پند و موعظت۔ ذکر و عبادت عیادت و ہمدردی۔ یگانوں اور بیگانوں سے تعلقات غرض ہر عمل میں حضور اکرم صلعم نے دنیا کے سامنے ایسا مکمل اور بے مثل نمونہ پیش فرمایا کہ منزل حیات سے گزرنے والوں کے لئے کسی اور لیڈر یا مبلغ کی جانب احتیاجاً نظر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی اتباع سے معراج انسانیت اور کمال عبدیت حاصل کرکے مقبول بارگاہ صمدیت ہو سکتے ہیں۔ اس کی توضیح اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (اے میرے حبیب) یہ کہہ دو کہ اگر تم (اپنے محسن حقیقی) اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو تا کہ اللہ تم سے محبت کرے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدق و ایثار۔ امانت داری وخدا ترسی۔ عفو وکرم اور خدمت خلق۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فراوانی دولت وثروت اور عظمت واقتدار کے باوجود تواضع پسندی۔ سادہ زندگی۔ خدا ترسی۔ عدل رعایا پروری حاجت روائی۔ شجاعت وسیاست۔ پیوند پر پیوند لگائے ہوئے سادہ لباس سے ستر پوشی۔ پرتکلف غذاؤں اور سامان عیش وراحت سے پرہیز رعایا کی خبر گیری۔ یتیموں کی دلجوئی۔ محتاجوں کی حاجت براری۔

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ۔ سیر چشمی۔ رحم دلی۔ شرم وحیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عبادت۔ زہد وتقویٰ۔ قوت و شجاعت۔ عفو وکرم اور کمال علم کے علاوہ حضرت ابو طلحہؓ کی مہمان نوازی۔ حضرت خبابؓ ابن عدی کا صبر وشکر۔ حضرت ماعزؓ کا خوف الٰہی۔ حضرت کعب ابن مالک اور حضرت ابولبابہؒ کا احساس گناہ وغیرہ یہ تھا اسوۂ حسنہ کی پیروی کا نتیجہ۔ اور امی لقب کے کمال علم کا فیض کہ ذروں کو آفتاب اور قطروں کو دریا بنا دیا۔ اور ہر طرح ثابت کیا کہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کا ارشاد ربانی مبنی برحقیقت ہے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کے اوصاف حمیدہ کو خلق عظیم سے موسوم فرمایا ہے۔ اور اس طرح سات امتیازی صفتوں کا اظہار (خ) خشیت الٰہی (ل) لطافت و لطف وکرم (ق) قومی فلاح و بہبودی (ع) عدل و عمل صالح (ط) ظرافت (ی) یاد الٰہی۔ (م) منکسر المزاجی، مساوات پسندی۔

(۱) محبوب رب العالمین۔ صاحب لولاک لما [illegible] و درگذر کی درخواست کا خوف الٰہی سے لرز جانا۔ [illegible] اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ ہونا۔ جادۂ تسلیم و رضا پر [illegible] دیگر اقوام کی طرح اسلام میں بھی امارت دہ دولت

قوم قوم قوم

تجھے اے بلبل رنگیں سوا سوجھی ہے گانے کی
مگر مجھ کو پڑی ہے فکر تیرے آشیانے کی

یہ تیرے آڑے ترچھے جا رہے شاخ گلبن پر
کبھی سے بجلیاں ہیں فکر میں ان کو جلانے کی

کبھی سوچی بھی ہے تجھ کو کہ اب تک چمن کیا ہے
کبھی سوچا بھی ہے تو نے ہوا کیا ہے زمانے کی

سنبھالے اپنے پرتے ترے سب ہم صفیروں نے
ہر اک نے فکر کی ہے اپنے اپنے آشیانے کی

مگر اک تو ہی غافل ہے مآل کار گلشن سے
ترے حصے میں ہیں دو غفلتیں سارے زمانے کی

اگر گلشن میں رہنا ہے بدل لے تو بھی رنگ اپنا
سماعت اب نہیں ہوگی کسی حیلے بہانے کی

(سید محمد اسد علی ایم۔ آر۔ اے۔ ایس جودھپور)

ساب وکتاب اور کس مپرسی و بدحواسی کا ذکر فرماتے ہوئے آبدیدہ ہوجانا کیا راز تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ

بظاہر آفتاب کا قرب ازدیاد حرارت کا باعث ہوتا ہے اور بعد سے سردی غالب آتی جاتی ہے اسی طرح قرب الٰہی کی منزل جتنی زیادہ طے ہو گی خشیت الٰہی کا غلبہ ہوگا یعنی خوف و محبت میں اضافہ ہوتا جائیگا۔

اس کے برعکس گمراہی اور باطل پرستی سے نہ خوف باقی رہے گا اور نہ محبت۔ یہی سبب ہے کہ باطل پرست معصیت کیش گناہ پر گناہ کرتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا۔ لیکن حق پرست اور طالب رضا نیکیوں پر نیکیاں کرتے اور خوشنودی الٰہی کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے کے باوجود لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہیں معلوم میدان قیامت میں سرخروی حاصل ہو گی یا روسیاہی و رسوائی۔

ایک روز رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداک امی و ابی آپ کی عمر تو کچھ ایسی زیادہ نہیں ہوئی پھر آثار پیری کیسے نمودار ہوگئے؟ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا سورۂ ہود۔ سورۂ دہر۔ سورہ قیامت اور سورۂ زلزال میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا جو ذکر فرمایا ہے ہیبت [illegible] امت اور فکر عاقبت نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ میں جو کچھ جانتا ہوں حضرت نوح علیہ [illegible] رونے میں گذارتے۔ [illegible] کی تعلیمات و ہدایات سے بے اعتنائی برتی سے تبلیغ فرماتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام امور میں حصہ لینا پسند

(۲) لطافت مجسم۔ پیکر نور۔ سراپا رحمت کی ظاہری و باطنی لطافت و پاکیزگی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مکھی جو بالطبع نجاست پسند ہوتی ہے نفاست سے گریزاں رہتی ہے۔ حضور اکرم صلعم کے جسم اطہر کے قریب نہ آتی تھی۔ علاوہ بریں ہر مادی چیز کثیف ہوتی ہے اور کثافت کا سایہ ضروری ہے لیکن عظمت نبوی ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر سایۂ اطہر پڑنا گوارا نہ فرمایا طرفہ یہ کہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدت گرسنگی میں شکم مبارک پر اینٹ یا پتھر باندھ لیتے تھے۔ کیوں؟ کیا پیٹ کے اوپر کوئی چیز رکھ لینے سے تسکین ہو سکتی ہے اس میں یہ راز عرفان مخفی تھا کہ مادی [illegible] ثقیل اور وزنی ہونے کی وجہ زمین پر پڑی رہتی ہیں مگر نور بار ثقل سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ اس طرح جب غذائیت کا مادہ کم [illegible] تھا اس خیال سے کہ جسم لطیف زمین پر قائم رہے اور نور علیٰ نور کی حیثیت سے دوش ہوا پر سوار ہو کر مائل بہ پرواز نہ ہو یہ سنگ و خشت کا بردہ کیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف و کرم۔

ع ہزاروں جھولیاں بھر دیں مگر پھر ہاتھ خالی تھے۔ بذل و [illegible] کا یہ عالم تھا کہ محتاج و مساکین کو دست سوال دراز کرنے سے پہلے عطا کرتے یتیموں کی دلجوئی۔ بیواؤں کی دستگیری۔ غلاموں پر شفقت۔ مریضوں کی عیادت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

جس وقت بحرین کا خراج کئی ہزار وصول ہوا تاجدار دوعالم نے اپنے ہاتھ سے مستحقین میں تقسیم فرما دیا۔ بعد از [illegible] جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اطلاع

جذبات فیضی

از جناب فیضی صاحب۔ فیض آبادی

دیار مدینہ کا جو پاسباں ہے
مجاہد چلا سر کے بل تیری جانب
اگر تو چاہے سب آساں ہو مشکل
تراہی سہارا ہے تیرا بھروسہ
ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ علیؓ سا
عطا کر عروج دوامی عطا کر
لئے دیں کی خدمت کے جذبہ کو نکلا
رسالے بہت یوں تو نظر سے گزرے

وہی مرکز چشم ہر دو جہاں ہے
بہت زخم کھائے جگر خونچکاں ہے
میں کمزور ہوں مجھ میں طاقت کہاں ہے
گنہگار بندہ بہت ناتواں ہے
زمانے میں اب کوئی انساں کہاں ہے
کرم کا ترے منتظر پاسباں ہے
مٹانے کو الحاد یہ پاسباں ہے
نظامی بہت خوب یہ پاسباں ہے

خبر لیجئے اپنے فیضی کی آقا!
غم ہجر میں آہ وہ نیم جاں ہے!

آج گھر میں چولھا نہیں سلگھا۔ ارشاد ہوا۔ الحمد للہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو اصحاب صفہ میں تھے۔ شدت گرسنگی سے بیتاب ہوکر مسجد سے باہر نکلے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ان کی نظر احتیاج کو نہ سمجھے۔ یہ بھی خاموش رہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جلوہ فرما ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی امید بھری نظریں ان کی طرف بھی اٹھیں مگر حاجت روائی نہ ہوسکی۔

جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سارے جسم میں امید مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ دل ہی دل میں کہنے لگے وہ حاجت روائے بیکساں آگیا۔ حضور اکرم صلعم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ میرے ساتھ چلو اور اپنے رفقاء کو بھی ساتھ بلا لو۔

اس طرح چلے تاروں کا ہجوم میرے مہ لقا کے ساتھ۔

جب تاجدار دوجہاں حریم نبوت میں داخل ہوئے۔ صرف ایک پیالہ دودھ کسی صحابی کے پاس سے تحفتہً آیا ہوا تھا۔ مگر حضور نے باری باری سب کو پلایا اور خود بھی نوش فرمایا۔ سب شکم سیر ہوئے پھر بھی دودھ ختم نہ ہوا۔

حضور کا لطف و کرم جاں نثار رفقاء اور مسلمانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ جان کے دشمن اور خون کے پیاسوں کے ساتھ بھی یہی عمل رہا۔ بوقت ہجرت سراقہ نقش قدم کا سراغ لگاتا ہوا۔ تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے قریب پہنچ جاتا ہے۔ گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے اور مرکب و سوار گر جاتے ہیں سراقہ انعام کے لالچ میں تلوار بے نیام کرکے آگے بڑھتے ہی پنڈلی تک زمین میں دھنس جاتا ہے جب وہ اپنی بے بسی اور ناکامی پر آنسو بہانے لگتا ہے رحمۃ للعالمین اس کی خطا عفو فرماتے ہیں۔ زمین قدم چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن ہوا و ہوس کے ابھارنے پر وہ دوبارہ وار کرنا چاہتا ہے پھر گھٹنوں تک زمین میں اتر جاتا ہے اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ اس معاندت کا انجام تباہی و بربادی کے سوائے کچھ نہیں۔ پھر منت سماجت کرتے ہوئے حضور سے وعدہ کرتا ہے کہ اس سعی لاحاصل کا خیال تک نہ کریگا۔ پھر شان رحمت کارفرما ہوتی ہے۔ قصور معاف کیا جاتا ہے۔ زمین اسکو چھوڑ دیتی ہے۔ اور وہ حسب اقرار یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے کہ "بکمال اطمینان مسافت طے کیجئے تعاقب میں کوئی نہ آنے پائے گا۔

(۳) کفار قریش پر بے حسی۔ گمراہی اور نفسانیت کا غلبہ دیکھکر حضور کو کسی پہلو چین نہیں تھا۔ وہ آوازے کستے تھے۔ مذاق اڑاتے تھے۔ ساحر کہتے تھے لیکن حضور اکرم صلعم کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ وہ فیض صحبت سے بہرہ ور ہوں۔ کلام الٰہی سنیں اور تباہی سے نجات حاصل کریں۔ دنیا میں جو امتیازی حیثیت رکھتے ہیں بروز قیامت خوار و رسوا نہ ہوں اور کیفر کردار کے سبب عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں۔ حضور کے حزن و ملال کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

یہ مضامین جو آپ پر نازل ہوا کرتے ہیں اس کتاب کی آیتیں ہیں انوار ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اور جس کا ہر حکم واضح ہے۔ لیکن خیرہ چشم کور باطن اگر فسادت قلبی کے سبب اس کی تجلیات سے مستفیض ہونا پسند نہ کریں تو ان کی حرماں نصیبی اور شقاوت پر وقف رنج و ملال رہکر اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالنا مناسب نہیں۔ اگر ہم ان کو ایمان سے سرفراز کرنا چاہتے تو آسمان سے کوئی خاص نشانی ظاہر کرتے جس سبب وہ ایمان قبول کرنے پر مجبور ہوجاتے مگر ہم جبر و اکراہ پسند نہیں کرتے جن کے اصلاح پذیر ہونے کی آپ کو تمنا ہے ان کا یہ حال ہے کہ وہ نہ آپ سے ملنا پسند کرتے اور نہ اللہ کا کلام سننا چاہتے۔ آپ ان کو بلاتے ہیں اور وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اور بات سننا بھی گوارا نہیں۔ آپ اس کا افسوس نہ کریں کہ ان کی شقاوت ازلی ہے۔

(۴) پیکر عدل و انصاف کی معدلت پسندی بھی عدیم المنظیر تھی اتفاق سے ایک معزز قبیلے کی لڑکی سرقہ کے جرم میں ماخوذ ہوگئی ہے اہل قبیلہ اپنی رسوائی اور توہین سے بچنے لئے اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سفارش کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ ان کو یقین تھا کہ حضور اکرم صلعم چونکہ اسامہ رضی اللہ عنہ کو بہت چاہتے ہیں اسکی خاطر شکنی اصلاً گوارا نہ فرمائیں گے۔ مگر جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے سارقہ لڑکی کی سفارش کرتے ہوئے عفو و درگذر کی درخواست کی تو حضور نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ دیگر اقوام کی طرح اسلام میں بھی امارت و دولت

کے ملحوظ رکھتے خلاف عدل عمل کیا جانے لگے قسم ہے اس ذات رحمۃ والاصفات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو حکم الٰہی تعمیل میں پس و پیش نہ کرتا۔

ہر عمل خیر میں سبقت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جب حفظ ما تقدم کے نظر کرتے خندق کھودنا طے پایا۔ حضور صلعم سب سے پہلے میدان میں اتر آئے۔ اور ایسی حالت میں کہ شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے کھودنے میں مصروف ہوئے۔

میدان جنگ میں رات کے وقت جب مجاہدین محو راحت ہوتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاسبانی فرماتے اور چکر لگاتے کہ دشمن کو شبخوں مارنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

(۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتیازی وصف خوش طبع و لطیفہ سنجی بھی تھا کہ بعض اوقات خود کبھی ظرافت آمیز کلام ارشاد فرماتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی حاضر جوابی کو پسند کرتے۔ مثلاً ایک بڑھیا جو عبادت گذار اور پرہیز گار تھی حاضر خدمت ہو کر مستفسر ہوئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں جنت میں داخل ہو سکوں گی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بوڑھیاں جنت میں نہ جائینگی۔ یہ جواب سن کر اس کو ایسی مایوسی ہوئی کہ کھانا پینا تک چھوڑ دی اور گریہ وزاری میں مصروف ہو گئی۔ سرکار دو عالم کو جب اس کی اطلاع ہوئی اس کو طلب کیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا تم جو نا امید ہوئیں میں نے یہ کب کہا تھا کہ تم داخل جنت نہ ہو سکو گی بلکہ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جنتی عورتیں از سر نو جوان ہو کر زینت افزائے خلد بریں ہوں گی وہ بڑھیا خوش ہو گئی۔

ایک دفعہ حضرت مع اصحاب کرام خرمے تناول فرما رہے تھے۔ حضور نے اپنی کھائی ہوئی گٹھلیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈالدیں اور مسکراتے ہوئے فرمایا علی رضی اللہ عنہ تم نے سب سے زیادہ خرمے کھائے علی رضی اللہ عنہ نے مسکراتے ہوئے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے تو صرف کھجور کھائے ہیں لیکن حضور نے گٹھلیاں تک نہ چھوڑیں حضور اس برجستہ جواب سے خوش ہو گئے۔

(۶) حضور اکرم نہ صرف نماز و تلاوت کے وقت بلکہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ سوتے جاگتے ہر حالت میں یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ اور بغیر اس کے چین نہ ملتا تھا۔ اسی اسوۂ حسنہ کی اتباع میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ دست مبارک چکی چلاتے تھے۔ پاؤں سے جو رسی بندھی رہتی تھی اس سے جھولا جھلاتی تھیں۔ زبان سے قرآن مجید کی تلاوت کرتی تھیں اور دماغ سے اس کلام الٰہی کے مطالب و معارف پر غور کرتی تھیں۔

(۷) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود پسندی۔ ناز و نخوت۔ اور دل آزاری سے سخت نفرت تھی نہ صرف اپنا کام آپ خود کرتے بلکہ غلاموں کے کام میں ہاتھ بٹاتے۔ انس رضی اللہ عنہ کو دس برس آپ کی غلامی کا شرف حاصل رہا بیان کرتے ہیں کہ اس طویل عرصے میں حضور نے کسی وقت سخت بات نہیں کی۔ اور کسی وقت مجھے محسوس نہ ہونے دیا کہ میں غلام ہوں اور حضور آقا ہیں۔

جس رات معراج ہوئی زمین و آسمان کی سیر کی مالک حقیقی سے ہمکلام و مشرف بہ دیدار ہوئے اسی صبح کو باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت آٹے کی گٹھری سر پر لئے روتی جا رہی ہے۔ حضور کے دریافت فرمانے پر اس نے عرض کیا۔ یہ آٹا فلاں یہودی کا ہے ناسازی مزاج کے سبب چونکہ مجھے دیر ہو گئی ہے۔ اس اندیشہ سے رو رہی ہوں کہ یہودی کی سخت باز پرس کا کیا جواب دوں گی اور اگر وہ ناراض ہو جائے۔ پھر گذر بسر کیسے ہو گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی گٹھری اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے اس کے ہمراہ یہودی کے گھر پہنچے اور اس بڑھیا کی خطا بخشی کے لئے سفارش فرمائی۔ یہودی نے غور سے چہرۂ اطہر پر نظر کرتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا آپ کو رات میں معراج ہوئی۔ حضور نے فرمایا۔ تم کو کیسے معلوم ہوا میں نے ابھی کسی سے ذکر تک نہیں کیا۔ یہودی نے جواب دیا ہماری کتاب میں نبی آخر الزماں کی نشانیوں کے ضمن میں تحریر ہے کہ جس رات اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین و آسمان اور جنت و دوزخ کی سیر کرائی جائیگی۔ اسی صبح کو وہ بیکس بڑھیا کی سفارش کریں گے جب حضور اکرم صلعم نے اثبات میں جواب دیا تو وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔

فاضل جلیل حضرت مولانا اشفاق حسین صاحب مفتی جودھپور

آپ سراپا رحمت وعفو ہیں توریت مقدس میں آپ کے بعض اوصاف جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

لایجزی بالسیئۃ السیئۃ ولکن یعفو ویغفر۔ اعداد معاندین پتھر برسائیں آپ ان کے لئے دعاء ہدایت فرمائیں سرزمین احد وطائف شاہد وگواہ ہے ؎

دین کے دشمن ان کو ستائیں دیں یہ ہمیشہ ان کو دعائیں
سب سے نرالی خوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اگر احیاناً کفار کے لئے بدعا کا ارادہ کیا تو فرمادیا گیا لیس لک من الامر شیٔ

ترجمہ۔ اے رحمت عالم تمہاری شان کے لائق بدعا کرنا نہیں ہے تم تو مجسمہ رحمت بنا کر بھیجے گئے ہو (تفسیر خازن وغیرہ) فتح مکہ کے اور شہر میں اس شان سے داخل ہوتے ہیں کہ ہزار ہا خدام ہمرکاب بیشمار لشکر جلو میں فتح قدم چوم رہی ہے۔ شجر وحجر ومکانات جھک جھک کر صلوٰۃ وسلام پیش کررہے ہیں۔ شعر

سوار اب ہوا ہے خدا کا حبیب کہ نصر من اللہ فتح قریب

شہر میں داخل ہوتے وقت واقعہ ہجرت یاد آجاتا ہے کہ کسی طرح میں اپنے رفیق جاں نثار کے ساتھ گیا اور چند سال کے بعد اس شوکت و حشمت وعظمت اور جلال سے اپنے رب کی مدد سے داخل ہوتا ہوں اگر کوئی دنیوی وجاہت پسند ہوتا پھولا نہ سماتا۔ باچھیں کھلی ہوئی ہوتیں سینہ غرور سے تان کر چلتا گردن بلند ہوتی شمشیر میان سے باہر ہوتی ہر طرف نگاہ غیظ وغضب ڈالتا ہوا روانہ ہوتا مگر یہاں برعکس ہے رب کے لئے تواضعاً سر اقدس جھکا دیا ہے یہاں تک کہ ریش انور ناقہ کی پالان سے لگ جاتی ہے چشمان مبارک میں آنسو بھر لاتے۔ پالان پر ہی سجدہ شکر ادا کیا سورہ فتح پڑھتے ہوئے کہ اندرون شہر داخل ہوتے ہیں۔

یہ وہی سرزمین ہے کہ جہاں مشرکین نے تیرہ برس برابر رفقاء وخدام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے آپ کو تکلیف پہونچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا رہ میں کانٹے بچھائے جاتے چھتوں سے ناپاکی ڈالی جاتی۔ جسم اطہر کو زخمی کیا گیا قدم قدم پر اپنی سیاہ باطنی وعداوت قلبی کا اظہار کرتے تبلیغ اسلام کرنے سے روکتے۔

ایسے موقع پر دنیوی جاہ وعزت کا طالب مکہ کے کہہ صغیر وکبیر کو تہ تیغ کرتا اور خون کی ندیاں بہادیتا اور وہ عبرتناک سزا دیتا جس کا ذکر رہتی دنیا تک باقی رہتا مال ومتاع کو اپنے تصرف میں لاتا۔

زمانہ حال کی دو جنگوں کے واقعات پیش نظر ہیں تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ کس بیدردی سے لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں تک کو نہ بخشا گیا ہیروشی (جاپان) میں چند منٹ کے اندر ۳ لاکھ انسانوں کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اور پھر لاکھوں بیکار ہوگئے۔ جن کا کوئی پرساں حال نہ رہا۔

اے اپنی طاقت وحشمت پر غرور کرنے والو! آؤ ہم تمہیں دنیائے انسانیت کے محسن اعظم کی شان دکھلاتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ فاتح قوم مفتوح سے کس طرح پیش آئے۔ باوجود قدرت وطاقت کے کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔ نظم ونسق ضبط وتحمل کی بے مثل نظر ہے۔

اہل مکہ حضوری میں دست بستہ خائف ولرزاں کھڑے ہیں۔ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں مگر زبان یارا نہیں دیتی ساکت ہیں اپنے کئے پر بے حد پشیماں وشرمندہ ہیں۔ بڑے بڑے بہادروں وسورماؤں کا پتہ پانی ہورہا ہے بجز اس بارگاہ کے کہیں جاو پناہ نظر نہیں آتی مکہ کی وسیع گلیاں تنگ معلوم ہوتی ہیں۔ ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوگیا ہے دل سینوں میں دھڑک رہے ہیں۔ زمین پیروں تلے سے نکلی جارہی ہے۔

اپنے آپ کا سنبھالنا مشکل ہورہا ہے۔ ماضی پر جب نگاہ ڈالتے ہیں تو مستقبل بھیانک نظر آتا ہے خائف وراجی امید وبیم کے عالم میں ہیں۔ کبھی کبھی چہرہ انور کی طرف دیکھتے ہیں کہ شاید کریم اپنے کرم فضل سے ہمارے قصوروں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اعلان معافی فرمادیں جنھوں نے آپ کے اوصاف جمیلہ کو دیکھا ہے انہیں یہ چیز بعید ومحال کبھی نہ معلوم ہوتی۔

ہاں ان کی زبان حال کہہ رہی ہے اے رحمت عالم! ہم تو بہت ہی سیاہ کار ظالم وجابر وبد کردار ہیں مگر آپ کے کرم سے ہمیں یہی امید ہے کہ درجہ عفو عطا ہو ہم نکموں کو ستھرا و پاک کیا جائے کہ ہم اپنے کرم سے نوازتے ہوئے اس وسیع ونورانی دامن (جسکی وسعت میں دونوں عالم سماجائیں بلکہ جس کی وسعت وعظمت کو دیکھکر عرش اعظم کاسہ لئے بارگاہ عالیہ میں حاضر) .... میں چھپایا جائے۔

رحمت عالم نور مجسم زینت عرش اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے بے پایاں جوش پر آتا ہے ڈھارس بندھاتے ہیں ان کی مجبوری وبیکسی وتہیدستی ولاچاری کو ملاحظہ فرمایا ان کے ظلم وستم کو نظرانداز فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین ۰ ترجمہ آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھکر مہربان ہے۔

اس فرمان واجب الاذعان کو سنکر فرط مسرت سے چہرے چمک اٹھے۔ اور پروانہ وار اس شمع عالم پر قربان ہونے لگے اور اسی وقت سب نے عرض کیا نشہد اللہ لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

جنھوں نے راہ فرار اختیار کی تھی انھیں جب معلوم ہوا۔ کہ سرکار کائنات ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرمادیا ہے وہ بھی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوکر نور ایمانی سے اپنے قلوب کو مجلیٰ ومصفیٰ کرتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں بیشک آپ نبی ہیں غیر نبی سے یہ چیز محال غرض کہ چند ساعت میں سارے مکہ والے دولت ایمان سے مالامال ہوتے ہیں مکہ کی دنیا ہی بدل گئی وہی کفار مکہ جو قساوت قلبی وسنگدلی میں ضرب المثل تھے موم ہوجاتے ہیں اپنا جان ومال سرکار کے قدموں پر قربان کررہے ہیں۔ مکہ کی پوری آبادی خوشی کے ترانہ گارہی ہے ذرات چمک چمک کر ستاروں کو شرمندہ کررہے ہیں۔ حرم شریف خوشی میں جھوم جھوم کر رب کریم کی حمد وثنا اور پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام پیش کررہا ہے کیا تاریخ دنیا میں اسکا نمونہ مل سکتا ہے جو اشخاص اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے مسلمانوں پر قتل وخونریزی کا الزام لگاتے ہیں وہ ٹھنڈے دل سے اس واقعہ پر غور کریں ان کو روز روشن سے زیادہ ظاہر وباہر ہوگا کہ اسلام ہی وہ پیارا اور سچا مذہب ہے جو صحیح راستہ پر گامزن اور افراط وتفریط سے پاک۔ انسان کو اصلی مقام پر پہونچانے والا۔ خادم ومخدوم کو ایک صف میں کھڑا کرنیوالا خدا تک پہونچانے والا ہے۔ اسکے سوا کوئی مذہب حق نہیں۔

(از جناب مولنا قسیم فدائی)

کبھی کبھی روزمرہ کی معمولی زندگی میں انسان کتنے حیرت ناک حادثوں سے دوچار ہوجاتا ہے اس کہانی میں کچھ ایسا ہی واقعہ ہے راوی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ۱۹۳۰ء کا ہے اور کہانی کے متعلقین میں سے فاطمہ کا لڑکا زاہد زندہ ہے جو آج کل راولپنڈی کے کسی سرکاری محکمہ میں ملازم ہے۔

اے سونے والے کدھر جائے گا۔ ٹکٹ دکھاؤ ...... ابے اٹھتا بھی ہے یا نہیں ...... ہاں ہاں تجھ ہی سے کہتا ہوں کہاں جائے گا .. .. دکھا ٹکٹ اپنا۔

یہ فقرے تھے جو ایک انگریز نما ہندوستانی ٹکٹ چیکر نے ایک سوتے ہوئے مسافر سے کہے۔ مسافر اب بھی برابر اونگھ رہا تھا وہ شاید کئی رات کا جاگا ہوا تھا ٹکٹ چیکر نے پھر کڑک کر کہا۔ ابے اٹھتا ہے یا نہیں اور اس کے بعد ٹکٹ کاٹنے والی قینچی کو کھڑکی پر زور سے بجا کر آخر کار اس نے مسافر کو جگا ہی لیا۔

... "ہاں بابوجی!"

بابوجی کے بچے ٹکٹ دکھا۔ ہم تیرے باوا کے نوکر ہیں ——— کہ تیری خدمت میں کھڑے ہوئے جگا رہے ہیں اور تو نواب کا بچہ ہے کہ اٹھتا ہی نہیں ...... کہاں جائیگا ٹکٹ دکھا۔

مسافر بیچارہ سیدھا سادہ گاؤں کا رہنے والا معلوم ہوتا تھا، سہم گیا۔ اور اس نے جلدی سے ٹکٹ نکال کر دکھایا۔ ڈیڑھ ٹکٹ تھا۔ ٹکٹ چیکر نے پوچھا یہ آدھا ٹکٹ اور کس کا ہے؟ مسافر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ میری لڑکی کا۔ مگر جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا وہ خالی تھی اور وہاں سوائے ایک گاڑھے کی چادر کے اور کچھ نہ تھا۔ مسافر نے جلدی سے دوسرے بنچ پر اچک کر دیکھا مگر وہاں بھی کچھ نہ تھا۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے آواز دی، فاطمہ .... فاطمہ ...... اری فاطمہ، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ تو وہ جلدی سے ٹنڈاس (بیت الخلا) کے قریب جا کر فاطمہ کو پکارنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ فاطمہ کو پاخانہ جانے کی حاجت ہوئی ہوگی اور وہ اسی وقت اسکے اندر ہوگی مگر جب اندر سے بھی کوئی جواب نہ ملا تو اس نے گھبراہٹ میں ٹنڈاس کا کواڑ کھول دیا۔ وہاں بھی کچھ نہ تھا ہر بنچ کے نیچے جھانک کر دیکھا مگر فاطمہ غائب تھی اب تو مسافر کے ہوش اڑ گئے۔ اور اس نے ٹکٹ چیکر کے قدموں میں گر کر کہا، بابوجی میں لٹ گیا۔ میری فاطمہ کہاں چلی گئی۔ ابھی ابھی تو میں نے دیکھا تھا وہ اسی سامنے والے بنچ پر سو رہی تھی۔

ٹکٹ چیکر نے مشتبہ نظروں سے مسافر کو دیکھا اور دریافت کیا۔ کیا تم اس درجہ میں تنہا تھے؟ مسافر نے روتے ہوئے جواب دیا۔ بابوجی میں غازی آباد سے بیٹھا ہوں اور جب گاڑی چلی ہے تو میں اور فاطمہ صرف دو ہی آدمی تھے اس درجہ میں۔

ٹکٹ چیکر نے حیرت سے کہا۔ مگر اب تو امروہہ کا اسٹیشن آنے والا ہے غازی آباد سے گاڑی کو روانہ ہوئے تین گھنٹے ہو چکے ہیں۔ کیا تم غازی آباد پر ہی سو گئے تھے؟ مسافر بدستور رو رہا تھا۔ اس نے کہا نہیں بابوجی میں نے ہاپوڑ کے اسٹیشن پر پیڑے لئے تھے اور فاطمہ کو کھلائے تھے۔ البتہ ہاپوڑ سے گاڑی چلنے کے بعد پھر مجھے خبر نہ رہی۔ کل رات کا جاگا ہوا تھا۔ نیند آگئی۔ اور اب بابوجی تم نے آکر جگایا ہے۔ ہائے میری فاطمہ ...... اتنا کہکر مسافر بیہوش ہو کر گر گیا۔

امروہہ کا اسٹیشن آتے ہی ٹکٹ چیکر نے اسٹیشن ماسٹر کو اطلاع دی اور بیہوش مسافر کو گاڑی سے اتار لیا گیا۔ ٹکٹ چیکر کے بیان کے مطابق پچھلے سب اسٹیشنوں کو فوراً ٹیلیفون کیا۔ اور اسکے بعد معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو مسافر کو کچھ ہوش آیا۔ اس نے پھر فاطمہ کو پکارنا شروع کیا۔ پولیس آفیسر نے تسلی آمیز گفتگو کر کے اس کی کچھ ڈھارس بندھائی اور وعدہ کیا کہ وہ عنقریب اس کی بیٹی کو تلاش کر کے اس سے ملا دیگا۔

مسافر نے بیٹی کے انتظار میں رو رو کر تین دن بسر کئے اور آخر کار پولیس میں اپنا نام و پتہ لکھا کر مراد آباد چلا گیا۔

مراد آباد میں اس کا گھر تھا، فاطمہ کی ماں کو جب بیٹی کے اس طرح غائب ہوجانے کی اطلاع ملی تو اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی، اور وہ ہائے کہکر گر پڑی بے ہوش ہونے سے پہلے پہلے فاطمہ کی ماں صرف یہ کہہ سکی۔

ہائے وہ تقریباً کہہ رہا تھا کہ تیری فاطمہ پر یہ سال بھاری ہے اگر اس کی خیریت

چاہتی ہے تو بیس روپے مجھے خیرات کے دیدے ورنہ یاد رکھ تیری فاطمہ اسی ہفتہ ...... اور پھر عمر بھر .... نت ۔ جھ ..... یہ کہتے کہتے وہ غافل ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے مامتا نے اس بوڑھی ماں کو اپنی گود میں سلا لیا ۔

فاطمہ کے باپ کیلئے بیٹی کا غائب ہونا ہی کچھ کم الم انگیز سانحہ نہ تھا اس پر گھر کا اجڑنا دیکھکر اسکے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے ، اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا ۔ مگر یہ سب تقدیر طاقت کی کارفرمائیاں تھیں ۔ اور کس کی مجال تھی کہ واقعات کا پلاٹ تبدیل کر سکتا ۔ آخرکار محلہ والوں نے جمع ہو کر بڑھیا کی تجہیز و تکفین کی اور بوڑھے الطاف کو تسلی دے دلا کر اپنے گھر چلے گئے ۔

پولیس کی تفتیش برابر جاری تھی ، اور پولیس افسر کو وہ الفاظ بھی بتا دیئے گئے تھے جو فاطمہ کی ماں نے مرتے وقت لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے ادا کئے تھے ۔ مگر فاطمہ کا کہیں سراغ نہ ملا ۔ اور اسی تلاش میں کافی مدت گذر گئی ، آخرکار معاملہ رفع دفع ہو گیا ۔

مراد آباد کے قریب ہی ایک گاؤں میں ہندوستان کا مشہور ڈاکو رحمت ٹھہرا ہوا تھا ، اسکے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی ۔ اور اس کا یہی مشغلہ تھا ۔ کہ وہ کسی نہ کسی طرح لڑکیوں کو غائب کر دیا کرتا تھا ۔ اور اپنی جائے قیام سے بہت دور دوسرے شہروں میں مختلف طریقوں سے ان کی شادیاں کر کے روپیہ حاصل کر لیتا تھا ۔ فاطمہ کی ماں سے بھی اسی جماعت کے ایک آدمی نے فقیر کے بھیس میں روپیہ طلب کیا تھا ۔ اور روپیہ نہ ملنے کی صورت میں اس نے بتایا تھا کہ اس کی بیٹی پر یہ سال بھاری ہے ۔ تاکہ ماں پریشان ہو کر سیدھی طرح ہی کچھ دیدے ، مگر وہ غریب تھی ۔ اسکے پاس بیس پیسے بھی نہ تھے ۔ ایک دن ڈاکوؤں کو معلوم ہو گیا کہ فاطمہ اپنے باپ کے ساتھ غازی آباد میں اپنے چچا کے ہاں گئی ہے ۔ اسلئے ان میں سے تین آدمی غازی آباد گئے تھے ۔ اور فاطمہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے ۔ ہونے والی بات کہ فاطمہ کا باپ غازی آباد سے رات کو بارہ بجے والی گاڑی سے سوار ہوا اس کا خیال تھا کہ صبح ہوتے ہی مراد آباد پہونچ جائیں گے ۔ مگر ہاپوڑ کے اسٹیشن سے روانہ ہونے کے بعد جب یہ باپ بیٹی دونوں سو گئے تو ڈاکوؤں کو موقع مل گیا ۔ تمام درجہ میں صرف یہی دونوں تھے اس لئے نہائت آسانی سے یہ لوگ فاطمہ کو اڑا دینے میں کامیاب ہو گئے ۔ لڑکی کا منہ بند کر کے اسے باپ کے پاس سے علیحدہ کر لیا گیا ۔ اور جب اگلا اسٹیشن قریب آیا اور گاڑی کی رفتار ذرا ہلکی ہوئی تو یہ لوگ معہ لڑکی کے چلتی گاڑی میں سے اتر گئے ۔ اور باپ بیچارہ سوتا ہی رہ گیا ۔

ڈاکوؤں کی ایک جماعت کے ساتھ فاطمہ ضلع سہارنپور کے ایک گاؤں میں بھیجدی گئی اور یہاں اسکی پرورش ہوتی رہی ۔ رفتہ رفتہ فاطمہ اپنے باپ کو بھول گئی ۔ اسی طرح دن گذرتے گئے ۔ اور اب فاطمہ کی عمر چودہ سال کی تھی ۔ وہ جوان تھی اور قبول صورت ۔ اسکے چہرہ سے معصومیت برستی تھی ۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ دیہات تو کیا شہر میں بھی اتنی پیاری صورتیں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں ۔ گویا ان کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے کھاتے پیتے لوگوں میں بھی فاطمہ کے معصوم چہرہ اور دل پر اثر کرنیوالے حسن کی مثال ذرا مشکل سے ملتی ہے ۔

بہرحال یہ خوبصورتی ڈاکوؤں کی کامیابی کا بہترین ذریعہ تھی انہوں نے اسی گاؤں کے تحصیلدار بابو اعجاز الحسن سے ڈھائی ہزار روپے نقد لیکر فاطمہ کی شادی ان کے ساتھ کر دی ۔ بابو اعجاز الحسن صاحب ایک سیدھے سادے آدمی تھے اور انہیں اس گاؤں میں آئے ہوئے صرف تین ہی مہینے ہوئے تھے وہ محکمہ نہر میں ملازم تھے اور ان کی پہلی بیوی کا پچھلے سال انتقال ہو گیا تھا ۔

بڈھے الطاف کا یعنی فاطمہ کے باپ کا گھر جب تباہ ہو گیا تو اس نے مراد آباد چھوڑ دیا اور امروہہ میں آکر پان چھالیا کی دکان کر لی لیکن وہ نہ چل سکی تو بعض رحمدل لوگوں نے کوشش کر کرا کے الطاف کو محکمہ نہر میں خلاصی کی نوکری دلا دی ۔ بارہ روپے مہینہ الطاف کے لئے بہت کافی تھے ۔ اسلئے ہر ماہ چھ سات روپے ڈاکخانہ میں جمع کرا دیا کرتا تھا ۔ اس کا خیال تھا کہ مرتے وقت تک اگر کافی رقم ہو گئی تو ایک مسجد بنوا تا جاؤں گا ۔ اور اس کا نام فاطمہ مسجد رکھوں گا ، کیونکہ اسے بیٹی سے بہت محبت تھی اور آج اتنی مدت گذر جانے کے بعد بھی اس کا زخم بدستور ہرا ہی تھا ۔ وہ روزانہ کئی بار فاطمہ کو یاد کر لیتا تھا ۔ اسے یقین تھا کہ فاطمہ چلتی ریل سے گر پڑی ہے ۔ اور مر گئی ہے ۔

الطاف بدستور نوکری کرتا رہا ۔ اور اسے نوکر ہوئے چھ سال ہو چکے تھے ۔ کہ بابو اعجاز الحسن کا تبادلہ امروہہ کا ہو گیا اور یہ اپنی بیوی بچوں سمیت امروہہ آ گئے ۔ بابو صاحب کے ہاں اس عرصہ میں تین بچے ہو چکے تھے ۔ بڑا لڑکا زاہد پانچ برس کا تھا اور بہت پیاری باتیں کرتا تھا ۔ اور چونکہ بہت خوبصورت تھا اسلئے ہر دیکھنے والے کو اس پر پیار آتا تھا ۔

بابو صاحب بہت شریف آدمی تھے ۔ ان کے ماتحت ہمیشہ ان پر خوش رہتے تھے ۔ بڈھے الطاف کو ایسا نیک افسر ملا تو وہ بہت خوش ہوا ۔ جب کام سے فارغ ہوتا ۔ تو بابو صاحب کے ہاں آکر ان کے گھر کا سودا سلف لا دیا کرتا تھا ۔ بابو صاحب بھی الطاف

کرتے حد چاہا کرتے تھے۔ کیونکہ الطاف بھی ہمدردی کے ساتھ خدمت کرتا تھا۔ اور اس کے بچوں کو ہر وقت کھلایا کرتا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کو بابو صاحب کے بچوں سے بہت ہی محبت ہوگئی تھی۔ اب الطاف کا روزانہ یہ معمول ہوگیا تھا کہ کام سے فارغ ہوکر آتا اور بابو صاحب کی بیوی کو بیٹی کہکر آواز دیتا اور جو کچھ بازار سے لانا ہوتا لا دیتا۔ اسکے بعد زاہد کو گود میں لیکر بازار کی طرف نکل جاتا۔ ان ہمدردیوں اور محبت کو دیکھکر بابو صاحب نے اپنی بیوی کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ بے تکلف الطاف کے سامنے آجائیں۔ کیونکہ الطاف ان کی بیوی کو بیٹی کہتا تھا۔ اور ان کی بیوی الطاف کو بابا کہا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ بڈھا الطاف گھر میں آنے جانے لگا۔ اور یہ دونوں میاں بیوی بھی اس سے بہت محبت کرنے لگے۔

ان واقعات کو عرصہ گذر گیا۔ بابو اعجاز الحسن کا تبادلہ سنبھل کو ہوگیا۔ تو انہوں نے کوشش کرکے الطاف کو بھی سنبھل ہی میں بلا لیا اور پھر یہ سب لوگ ایک ہی جگہ رہنے لگے۔ سنبھل آئے ہوئے بابو صاحب کو پانچ ہی مہینے ہوئے تھے کہ الطاف بیمار ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے نمونیہ بتایا کئی روز تکلیف رہی آخرکار ایک دن اس کی حالت بہت ابتر ہوگئی تو اس نے بابو صاحب اور ان کی بیوی اور بچوں کو اپنے پاس بلاکر ایک ایک کو پیار کرکے زار زار رونا شروع کر دیا۔ اسنے کہا۔ بابو بھیا میں تم سے آج ایک بات کہتا ہوں اور وہ بات کہتا ہوں جو میں نے آج تک کسی سے نہیں کہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ میں جب سے نوکر ہوا ہوں ہر مہینے ڈاکخانہ میں کچھ روپے جمع کر رہا ہوں۔ اور اب وہاں ایک ہزار روپے کے قریب جمع ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ اس روپے سے ایک بڑی مسجد بنواؤں گا۔ اور اس کا نام اپنی پیاری بیٹی فاطمہ کے نام پر "فاطمہ مسجد" رکھوں گا۔ وہ میری اکلوتی بچی تھی اور مجھے اسکے ساتھ بڑی محبت تھی یہ کہتے کہتے بڈھے الطاف کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے بعد پھر اس نے اپنی بیٹی فاطمہ کا پورا قصہ سنایا کہ وہ میرے ساتھ سفر کر رہی تھی اور غائب ہوگئی۔

بابو صاحب کی بیوی فاطمہ بڑے غور کے ساتھ الطاف کی باتیں سن رہی تھی۔ جب اس نے یہ سنا کہ بیٹی کے غم میں ماں کا انتقال ہوگیا۔ تو ایک چیخ مار کر رونے لگی۔ اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بڈھا الطاف اسی کا باپ ہے۔۔ تو بے اختیار الطاف سے چمٹ گئی اور ابا ابا کہکر چیخیں مارنے لگی۔ بابو صاحب کو بیوی کی اس دل سے کچھ غصہ بھی آیا اور کچھ تعجب بھی ہوا کہ ایک معمولی ملازم کے خانگی حالات پر اس کی بیوی نے اتنا اثر کیوں لیا۔ لیکن فاطمہ نے فوراً ہی اپنے بابو صاحب کو مخاطب کرکے کہا۔ ابا وہ فاطمہ میں ہی ہوں اور اسکے بعد اپنے تمام و کمال حالات ڈاکوؤں کے پھندے میں پھنسنے اور شادی ہونے کے واقعات سنائے۔ تو بابو صاحب بھی تعجب سے فاطمہ کا منہ دیکھنے لگے۔

الطاف نے جب فاطمہ کی زبانی حالات سنے اور مدت کی کھوئی ہوئی بیٹی کو اس طرح اپنے قریب بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت کی وجہ سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور چند ہی سکینڈ کے بعد وہ دیوانوں کی طرح بیٹی بیٹی کہتا ہوا پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اور فاطمہ کے چہرہ پر اپنی نظریں جما دیں۔ تھوڑی دیر وہ پھر لڑکھڑایا اور پلنگ پر گر گیا۔ اب اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

(ماخوذ از نقاد)

پاسبان الٰہ آباد زندہ باد

نکاحِ بیوگان

حضرت محدث اعظم ہند

آج ہم ایسے ایک عنوان پر قلم اٹھاتے ہیں، جو نہ صرف سرزمین ہند کے
لئے خشک ہے بلکہ پر خار بھی ہے اور جس کا لفظ بلفظ سن کر وحشی جانوروں کی طرح
اکثر ہندوستانی مسلمان کنوتیاں بدلیں گے۔ یہ مضمون ایسا ہے جو دینداری کے
لئے شربت اکسیر ہے۔ مگر مریضان دنیا کو تلخ دوا معلوم ہوگی یہی نہیں بلکہ یہ
وہ بات ہے جو اہل دین کے نزدیک تریاق اعظم ہے اہل دنیا کے خیال میں معاذ اللہ سم
قاتل ہے۔ کفرستان ہند میں جن نام نہاد عزت والوں کی ناک ان کے زعم
باطل میں تاڑ سے زیادہ بلند ہے۔ وہ اس تحریر سے بھوں چڑھا لیں گے اور
اس تاریک ملک میں جن برائے نام شریفوں کی ہڈیاں اُن کے ادعا میں فولاد
سے زیادہ مضبوط ہیں وہ اس بیان کو سن کر تلملا اٹھیں گے۔ مگر ہم بلا خوف لومۃ لائم
آج شریعت کے اُس فرمان کو دنیا کے سامنے پیش کر کے حجت الٰہیہ کو ختم کرتے
ہیں۔ جس سے سکوت شیطان اخرس کا کام ہے۔

مگر ہم لکھیں تو کیا لکھیں کیا مسلمانوں کو یہ نہیں معلوم کہ نکاح بیوگان
کا شریعت میں حکم ہے کیا ایماندار لوگ نہیں جانتے کہ نکاح بیوگان فعل مسنون
ہے۔ مسلمان تو مسلمان ہیں آجکل تو وہ قوم نکاح بیوگان کی برکت کا اعتراف
کرتی ہے جس کی زہریلی صحبتوں نے مسلمانوں سے اس رسم کو کبھی اٹھا دیا تھا۔ وہ
بھی محسوس کر رہے ہیں۔ کہ بیوہ کی آہ اور بیکس کا صبر اُن کو تباہ کر دے گا۔ اور
اس رسم کو بند کرنے سے مستقبل اُن کے لئے نہایت خطرناک ہو جائے گا۔

اسلام کے حضور سر اطاعت جھکا دو کہ جس نے تیرہ سو برس پہلے
قول و عمل سے اس گتھی کو سلجھا دیا تھا جس چیستان کو صدیوں کے بعد اب اعداء
اسلام بھی اسلام سے سیکھ کر بوجھنے لگے ہیں۔ اسلام کا جو مسئلہ کبھی اغیار کے
لئے مضحکہ خیز تھا آج اس کی تائید میں یورپ کے ایوانوں اور ایشیا کے
صحراؤں سے آواز بازگشت آرہی ہے تعداد ازدواج و نکاح بیوگان
کی خوبیاں اس درجہ زمانے نے روشن کر دی ہیں کہ ایک دنیا اسلام کی تعلیم
کے حضور زانوئے ادب تہ کرنے کو تیار ہے مگر ہائے قرب قیامت کی تاریکی
کا یہ اُلٹی گنگا بہنے کا نظارہ کس قدر افسوسناک اور شرمناک ہے کہ جس حقیقت
کے اعتراف پر اغیار کی زبانیں آگئی ہیں۔ وہی اسلامی تعلیم آج مسلمان کہلانے
والوں کے ہاتھوں تباہ ہو رہی ہے۔

مسلمان یہ جانتے ہیں کہ سردار غیرت داران تاجدار عزت یافتگان سرکار
غیور حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات
امہات المومنین باستثناء حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عنہن سب
کی سب بالخصوص زوجہ اولیٰ حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا بیوہ تھیں اور شفیق معلم نے تعلیم کے وقت اپنے عمل کا اسوۂ حسنہ دنیا
کے سامنے پیش فرما دیا تھا۔ اہل ایمان کو معلوم ہے کہ نسل رسول میں قرن اول
ہی میں نکاح بیوگان ہوا۔ جن میں حضرت ام کلثوم بنت امام مظلوم رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کا واقعہ معروف و مشہور ہے غرض سب کچھ جانتے ہیں۔ مگر صد
سے مشرکین کی صحبت نے نور اسلام کو دلوں میں اتنا کمزور کر دیا ہے کہ نکاح
بیوگان کے نام سے لوگ چڑھنے لگے ہیں۔

ہائے ہائے ظلم اور شدید ظلم تو یہ ہے کہ لڑکی بیاہی گئی، اُس نے شوہر
کا منہ بھی نہ دیکھا کہ بے نیاز مشیت الٰہیہ نے اس کو بیوہ کر دیا مگر مخلص نکاح
نے خدا جانے کونسی ظالمانہ رسّی اُس کے حق میں بنا کے اُس کو لٹکا دیا کہ اب تا
عمر وہ مشرکوں کی طرح ستی ہو گئی۔ اور اس کے لئے نکاح ثانی کا انتظام والدین
کے اُجلے دامن پر سیاہ دھبہ ہو گیا وہ بیچاری عمر بھر ماں باپ کا منہ تکتی رہی
اور اپنی بدبختی اور ماں باپ کی سختیوں پر رو دیا کی۔ ظالموں نے اسکے نکاح ثانی
سے باز رہ کر صرف اسکے عیش ہی میں خلل نہ ڈالا بلکہ وہ نسل اسلام کی
میں تقلیل کے بھی ملزم ہوئے۔

غضب تو یہ ہے کہ کوئی کسی کم عمر ہوئے بیوہ نہ صرف یہی کہ
عمر ایک عیش سے محروم رہی بلکہ ماں باپ کی نگاہوں میں خار ہو جاتی
اور منحوس سمجھی جاتی ہے۔ نئی نویلی دولہن کو نہیں چھو سکتی۔ شادی کی محفل

میں اکثر موقع پر نہیں بیٹھ سکتی۔ اپنے مزاج کے موافق کپڑا نہیں پہن سکتی۔ بہت سے زیورات ہیں جن کو نہیں پہن سکتی۔ اس کا شوہر مرگیا تو مشیت الہیہ کا انتقام اُس بےکس سے لیا جاتا ہے اور اذیت کے دہکتے ہوئے انگاروں میں اس کا کباب بنایا جاتا ہے۔ بڑی ہمت تھی اور بڑے بے خطر بہادر تھے تو خم ٹھوک کر قدرت سے لڑتے تاکہ پتہ چل جاتا کہ خدائی محاربہ کی تاب ظالموں کی بوٹیوں اور ہڈیوں میں ہے یا نہیں مگر یاد رہے کہ اُس بیوہ مظلومہ پر یہ مظالم خدائی محاربہ کا اعلان ہی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جبکہ غلام الغیور ظالموں کی بہادریاں اور شجاعتیں خاک میں ملا دیگا اور اس وقت مظلومہ کی فریاد عرش اعظم میں زلزلہ ڈالدیگی۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

قہر تو یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان خدا کے خوف سے بیوہ کا نکاح کر دیا تو اب خاندان کے بڑے بوڑھے ہیں کہ جلے مرے جاتے ہیں۔ اور جوان اور لڑکے ہیں کہ اینٹھے جاتے ہیں کوئی کہتا ہے ہمارے خاندان میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ کوئی بکتا ہے کہ ہماری شرافت کی ناک کٹ گئی، کوئی بولتا ہے کہ اجی ایسے کمینہ پن اور رذالت کے کام کرنے والوں کا منہ نہ دیکھو کوئی زہر اگلتا ہے کہ بھائی کوئی ملنے یا نہ ملنے ہم تو اس کو سامنا بھی نہ کریں گے۔ کوئی ڈینگیں مارتا ہے کہ لڑکی کا مرجانا اس سے اچھا تھا کوئی منہ زوری دکھاتا ہے کہ ہماری ہڈی میں داغ لگ گیا، غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ زبان کے آگے خندق مثل مشہور ہے جسکے منہ میں جو آیا بک دیا اور اس کی کسی کو خبر نہ ہوئی کہ اس بکواس سے لڑکی اور اسکے والدین کا کچھ بگڑا کہ خود اپنے ایمان کا طوطا ہاتھوں سے نکل کر اڑ گیا۔

اللہ اللہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سنت پر یہ مضحکہ توبہ توبہ خاندان رسالت کے افعال پر یہ حملہ اے آسمان پھٹ جا اور اے زمین شق ہوجا اے پہاڑ جنبش کر اور اے خدا کی گرفت ظالموں کو اب مہلت نہ دے۔

یاد رکھو کہ جو نکاح بیوگان پر یہ جانتا ہوا کہ وہ سُنت رسول ہے۔ اس قسم کے فقرے کستا ہے وہ شریعت کے ساتھ استہزا اور استخفاف اور امہات المومنین کی توہین کرتا ہے۔ اور یہ استہزا و استخفاف و توہین بالاتفاق اجماع اسلام کفر صریح ہے اس کہنے والے کی زوجہ اسکے نکاح سے نکل گئی وہ جلد سے جلد اس کفر سے توبہ کرکے اپنی زوجہ سے دوبارہ نکاح کرے یہ ہے شریعت کا حکم جس کے سامنے ظالموں کی لمبی لمبی ناک اور صاف و سفید دامن اور شریفانہ ہڈی کٹنے اور داغدار ہونے سمجھنے کے قابل ہے چنانچہ یہ داغ معمولی نہیں ہے کہ بیوہ کے نکاح ثانی پر حملہ کرکے ظالم لوگ خود اس عرصہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

اسلام کا درد ہوتا تو اپنے ظلم کو ظلم سمجھتے اپنے گناہ کو گناہ جانتے اپنی جہالت و نادانی پر شرمندہ ہوتے نکاح بیوگان سے باز رہنے پر اپنے کو خاصی باور کرتے۔ اللہ سے ڈرتے رسول کی شرم کرتے۔ دنیا کی برائے نام عزت کو شریعت پر فدا کرتے نہ کہ بقول شخصے "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" نکاح بیوگان پر تمسخر کرے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جب دنیا اس طرح کی اندھیر نگری ہو رہی ہے تو ظاہر ہے کہ نکاح بیوگان کی تحریک میں میدان عمل کس قدر تنگ اور دشوار ہے اور معلوم ہے کہ کتنے کلمہ پڑھنے والے ہیں جو اس تحریک کے مقابلہ میں اسلام کو چھوڑ دینے پر کمربستہ ہوجائیں گے۔ مگر اے دعویداران شرافت اور اے مدعیان حمیت جاہلیت آج تم کو تمہارا خاندانی وقار امہات مومنین کے دامن عفت پر قربان اور نچھاور ہے تم غیرتمند بنتے ہو مگر تم سے زیادہ وہ نبی برحق صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم غیور ہے جو تعلیم و تعلیم عمل سے نکاح بیوگان کی بنیاد رکھ چکا ہے اور سب سے زیادہ باغیرت وہ مالک و مولیٰ ہے جس نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے۔ مسلمانو! اس آنے والے دن سے ڈرو جبکہ ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔ قیامت قریب ہے اور حساب کتاب درپیش ہے دیکھو دیکھو سنبھل جاؤ اور ظالم بن کر دنیا سے نہ اٹھو، خدا کا سامنا ہوگا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو منہ دکھانا ہوگا ارے سنت نبویہ کے حضور جلد گردن جھکا دو ورنہ کہیں اونچا اونچا فرعونی سر کچل نہ دیا جائے شرم شرم۔

ہم تو مفصل بتلاتے کہ ان لمبی ناک والوں کے گھر میں کیا خرابیاں ہوتی ہیں اور نکاح بیوگان کے بند ہونے سے شریف خانوں میں کتنی ناکردنیاں ظاہر ہوئی ہیں مگر ہم کو تو اس تحریک میں انکی مسنونیت سے زیادہ بحث ہے جو حجت قطعیہ ہے اور جس کو ہم نے لوگوں تک پہونچا دیا۔ وما علینا الا البلاغ۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جائیں گے

(مدیر غفرلہٗ)

"حضرت سلمان فارسی کا واقعہ"

"ایک تاریخی افسانہ"

طلب حق

از رفیق ادارۂ رئیس التحریر مولانا سید اکبر حسینی صاحب آرزو

(۱)

سلمان! یہ دہکتی ہوئی آگ جسکے آگے جبین سائی کررہا ہے کیا معبود و مسجود بننے کے لائق ہے! پانی کی چند بے مقدار بوندیں جس کو بجھا دیں۔ اچھے برے کی جسے تمیز نہیں۔ ایذا رسانی میں جو دوست و دشمن کا امتیاز نہ کرسکے۔ ایسی خائن کہ بطور امانت جو چیز بھی سپرد کی جائے واپس نہ مل سکے۔ اس سے نفع رسانی یا حاجت براری کی توقع عین جہالت و نادانی نہیں تو پھر کیا ہے۔ پھر کیوں اسکی پرستش کیجاتی ہے؟ جلوۂ یزداں کی جھلک! کیا ہرے ہرے پتوں میں نظر فریب خوشنما پھولوں میں۔ رنگ برنگ کے جاذب نظر پرندوں میں۔ موتی کیطرح چمکتے ہوئے پانی کے قطروں میں کس کا نور ہے۔ پھر ان سب کو سجدہ کیوں ضروری نہیں۔ آبا و اجداد کا طریقہ! کیا غلطی بھی نظیر بن سکتی ہے! عقل سلیم رکھنے والا کبھی اس کورانہ تقلید کو پسند نہ کرے گا۔ والدین کتنا ہی مجبور کریں میں تو اس تودۂ آتش کو معبود نہیں قرار دے سکتا بہتر ہے کہ کسی اور دین میں صداقت و حقیقت کو تلاش کیا جائے یہ تھا وہ اٹل فیصلہ جو حضرت سلمان نے آبائی آتشکدہ کے پجاری مقرر ہونے کے بعد کیا۔

(۲)

حضرت سلمان اپنے کھیت سے گھر لوٹتے ہوئے جب عیسائیوں کے معبد پر سے گذرے اتوار کا دن تھا غیر معمولی اجتماع نظر آنے سے رک گئے۔ اور ان کی عبادت ختم ہونے تک بکمال حیرت و استعجاب تکتے رہے۔ طلب حق کے شوق نے چٹکی لی۔ جذبات میں ہیجان پیدا ہوا دل میں ٹھان لی کہ اسی راستہ پر گامزن ہوکر شاہد مقصود کی تلاش مناسب ہوگی۔ اور موقع ملتے ہی اس ارادہ کو عملی جامہ پہنایا۔ زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ ان کے والد کو اس کا پتہ چل گیا سمجھانے منانے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ڈرانے دھمکانے پر بھی جب سلمان تبدیل مذہب پر آمادہ نہ ہوئے تو مقید رکھا گیا۔ مگر اس مزاحمت سے آتش شوق اور زیادہ مشتعل ہوگئی۔ اس قید و بند سے آزادی حاصل کرنے کے لئے خویش و اقارب اور وطن مالوف کو چھوڑکر شام کی راہ لی گویا صبح وطن سے شام غربت کو ترجیح دی اور ایک گوشہ نشین راہب کی خدمت میں مصروف رہے ابھی اس سے فیضیاب ہونے کا موقع نہ ملا تھا کہ اس کا وقت آخر آپہنچا اور اس نے وصیت کی کہ موصل میں راہب کامل ہے اس کی خدمت سے مقصد حاصل ہوگا سلمان اس کی تجہیز و تکفین کے بعد صحرانوردی کرتے موصل میں داخل ہوئے اور راہب کی خدمت اختیار کی غنچۂ امید شگفتہ نہ ہونے پایا تھا کہ آثار خزاں نمودار ہوئے اور دنیا سے رحلت کرنے سے پہلے اس نے اسقف عموریہ کی نشان دہی کی مسلسل ناکامیوں اور حوصلہ فرسا صعوبتوں کے باوجود دل شکستہ ہونے کے بجائے استقلال و ہمت کے ساتھ ہر سختی کا مقابلہ کرتے ہوئے سلمان عموریہ پہنچے۔ اور بڑی مشکل سے اس با کمال اسقف کی صحبت و خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ اس نے کسی حد تک رہبری

کی۔ مگر طلب حق کی تشنگی نہ بجھا سکا اور داغ مفارقت دینے سے قبل اظہار حقیقت کرتے ہوئے کہا۔ دین عیسوی میں اب کوئی کامل اور خدا ترس راہب نظر نہیں آتا جو تمہاری مقصد براری کر سکے۔ بہتر صورت یہی ہے کہ صحرائے عرب کی خاک چھانو۔ وہاں نبی آخر الزماں جلوہ افروز ہونے والے ہیں۔ ان کا ذکر توریت و انجیل میں خاص طور پر دلکش پیرایہ میں کیا گیا ہے۔ وہی تمہاری تشنگی بجھا سکیں گے۔ اسقف کے انتقال کے بعد سلمان بہت کچھ غور و خوض کرتے رہے مگر کجا شام و کجا حجاز کامیابی کی کوئی صورت نہ تھی چار و ناچار عموریہ ہی میں کچھ بکریاں خرید کر گذر بسر کرتے رہے۔

(۳)

دن ڈھل چکا تھا سلمان بظاہر تو بکریوں کی نگہداشت میں مصروف تھے مگر ہر وقت کسی طرح منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر دامنگیر تھی۔

دن گذرتے گئے۔ عمر کی منزلیں طے ہوتی رہیں۔ اسی عالم حسرت و یاس میں ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہوئے بحر تفکر میں غواصی کر رہے تھے کہ جرس کی غیر معمولی آواز نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ کوئی قافلہ آبادی کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔ بے صبری سے اس کی طرف دوڑے اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی تاجر حجاز کے باشندے ہیں خوشی کی ایک لہر سر سے پاؤں تک دوڑ گئی۔ خاموشی کے ساتھ واپس ہوئے شعاع امید نے دل و دماغ میں غیر معمولی حرارت پیدا کر دی یقین ہو گیا کہ اس قافلے کے ہمراہ منزل مقصود پر پہونچنا دشوار نہیں۔

(۴)

میر کارواں۔ آخر ہمارے ساتھ چلنے کا مقصد کیا ہے؟ ڈاکوؤں کی جماعت سے ساز باز تو نہیں کہ ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر ہمارے اوپر حملہ آور ہوں۔ اور ہم کو جان بچانا دشوار ہو جائے۔

سلمان۔ میرا مقصد کیا ہے۔ اور کیوں آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں فی الوقت ظاہر نہیں کر سکتا۔ مگر ہر طرح اطمینان رکھئے کہ میں آپ کا بہی خواہ دوست ثابت ہوں گا۔

اگر میری درخواست قبول فرما کر اپنے ہمراہ حجاز لے چلنے کا وعدہ کریں تو اس وقت زر نقد کے عوض اپنی بکریوں کا گلہ نذر کرنے کو بخوشی آمادہ ہوں۔

میر کارواں نے پہلے تو حضرت سلمان کی درخواست ٹالنے کی کوشش کی لیکن جب بکریوں کی کثیر تعداد کا ذکر آیا تو منہ میں پانی بھر آیا۔ اور بلا تامل رضامندی کا اظہار کیا۔

(۵)

ان پرستاران ہوا و ہوس اور مطلب آشنا تاجروں نے شرافت کو کمزوری سمجھتے ہوئے حضرت سلمان کے شریفانہ طرز عمل سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ نہ صرف ان کی ساری بکریاں آپس میں تقسیم کر لیں بلکہ دوران سفر میں ان سے محنت و مشقت کے کام لینے کے باوجود نازیبا برتاؤ کرتے رہے۔ مگر

ع این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دیگر۔

سلمان سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وادی القریٰ پہونچ کر ان بدباطن تاجروں نے آپ کو غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا۔

لغزشیں ہر گام پہ ہیں ہر قدم پر ٹھوکریں
عشق کی منزل ہے یہ بازیچۂ طفلاں نہیں

اس طرح سلمان کو جس نے خریدا تھا اس نے مدینہ کے رہنے والے ایک یہودی تاجر کو نفع لے کر بیچ دیا۔ اور سلمان نے حصول مدعا کی خاطر متاع حریت بھی قربان کی

(۶)

سلمان غلام کی حیثیت سے مدینہ میں داخل ہوئے مگر اس غلامی پر ہزاروں سرداریاں قربان تھیں یہ اطلاع ملنے سے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں بے صبری سے انتظار کرتے رہے آخر وہ روز سعید بھی آ پہونچا کہ ظلمت کدہ یثرب میں خورشید ہدایت کی آمد آمد کی نوید روح پرور نے غنچہ ہائے دل کو شگفتہ کر دیا۔ ہر پیر و جوان عورتیں اور بچے دیدار فیض آثار

کے متمنی تھے۔ اور رونق افروز ہونے پر طلع البدر علینا کے انبساط افزا نغموں سے مدینہ کا ذرہ ذرہ عالم وجد میں تھا۔ یہ سماں۔ یہ منظر۔ اور یہ جوش عقیدت دیکھ کر سلمان پر فرط خوشی میں بے خودی طاری ہو گئی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر یہودی نے اس زور سے گھونسہ رسید کیا کہ آپ گر پڑے۔ خندہ پیشانی سے اس کو بھی برداشت کیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار ہدایت سے جب مدینہ کا چپہ چپہ بقعۂ نور بن گیا سلمان نے اپنی مراد پائی۔ دل کی دنیا ایسی منور ہوئی اہل بیت رسول اللہ صلعم میں شمار ہوئے۔ جب یہودی کی غلامی سے آزادی ملی رات دن اس شمع وحدت پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے اور فیض صحبت سے اختر ہدایت بن گئے۔ علمی حیثیت سے ممتاز صحابہ میں جگہ پائی

(۷)

عہد فاروقی میں گورنر ایران مقرر ہوئے پانچ ہزار ماہانہ گذارہ ملتا تھا۔ مگر اسی روز محتاج ومساکین اور یتیموں میں تقسیم کر دیئے اوقات فرصت میں ہاتھ چٹائی بننے میں مصروف ہوتے تھے تو دل محو یاد الہٰی۔ اور اسی چٹائیوں کی آمدنی پر گذر کرتے تھے۔ ایک عبا تھی سوتے وقت آدھی بچھا لیتے اور آدھی اوڑھ لیتے جو بازار سے سودا خریدتے تو اسی میں لاتے اور جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے تو اسی میں باندھتے۔

گورنری کے زمانہ میں بھی سواری کے لئے چھوٹا سا گدھا تھا جس پر زین تک نہ تھی تنگ اور چھوٹی قمیض پہنتے۔ تہمد باندھتے لوگ ہنستے تھے مگر آپ کو کسی کے ہنسنے کی پرواہ نہیں تھی۔

(۸)

عہد عثمانی میں سخت بیمار ہوئے۔ جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے پہنچے تو ان کو دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ حضرت سعد نے تسکین وتشفی کی خاطر فرمایا۔ بھائی سلمان یہ رنج وملال کا وقت نہیں بلکہ بے انتہا خوش ہونے کا وقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے رفقائے محترم سے ملاقات ہو گی۔ سلمان نے عرض کی۔ آپ کا ارشاد بجا ہے مگر ندامت وشرمساری کے سبب یہ اشک انفعال بہہ نکلے ہیں کہ۔ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے میں نے جو وعدہ کیا تھا۔ اس پر قائم نہ رہ سکا۔

حضرت سعد نے پوچھا وہ کیا وعدہ تھا۔ تو کہنے لگے۔ میں نے حضور روحی فداہ صلعم سے یہ اقرار کیا تھا کہ دنیائے دلفریب کے رنگین دام میں نہ پھنسوں گا۔ اور کن فی الدنیا غریب اوکعابر سبیل ہ پر عمل کروں گا۔ مگر افسوس کہ مجھ سے پابندی نہ ہو سکی اور آج میرے پاس بہت کچھ دنیاوی سامان جمع ہو گیا ہے — حضرت سعد نے سارے اثاثۃ البیت کا جائزہ لیا تو صرف ایک تھالی۔ ایک پیالہ اور ایک لگن کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب آپ سے نصیحت کی التجا کی تو ارشاد ہوا۔

"جو کام کرو۔ اللہ کو پیش نظر سمجھو"

یہ تھی حقیقی طلب اور اس کا یہ شاندار انجام۔

اللہ تعالیٰ بطفیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں طلب حق کی سچی تڑپ پیدا کرے اور ہمارے دل کی اجڑی ہوئی نگری کو رسول کریم صلعم کے انوار محبت وخلوص سے آباد کرے۔ آمین۔

پیامِ عمل

از حضرت نازش پرتاب گڈھی

آج ہم سے ہیں زمانے کی فضائیں برہم
آج سوزاں ہے ہر اک سینہ وفورِ غم سے
آج کہتے ہیں سبھی ہم کو حقیرِ عالم
آج افراطِ مصائب سے ہر اک آنکھ ہے نم

"ہم پہ ہنستی ہوئی یہ خلقِ خدا چلتی ہے
ہم سے بچ بچ کے زمانے کی ہوا چلتی ہے"

پھر بھی اس گردشِ دوراں سے پریشان نہیں
ہیں فضائیں شرر افگن تو نہیں غم ہم کو
خلشِ خارِ مغیلاں سے پریشان نہیں
اپنے اس حالِ پریشاں سے پریشان نہیں

جانتے ہیں کہ کچھ آساں نہیں مرنا اپنا
ازلی مشق ہے دب دب کے ابھرنا اپنا

جلد لو ہا شبِ تاریک کا گل جائے گا
انقلاب آنے کو ہے وقت کے میخانے میں
دل پہ پریشانیٔ و آلام کا ڈھل جائے گا
اور افسانۂ امروز بدل جائے گا

لذتِ سیرِ دگر چشمِ تماشا لے گی
ایک بار اور یہ دنیا ابھی پلٹا لے گی

چند گھڑیوں ہی کے مہمان ہیں یہ کام پرست
فلسفے کو ہے بقا اور نہ تدبیروں کو
ایک دو روز کی خاطر ہیں یہ اوہام پرست
دہر میں دائم و باقی ہیں تو اسلام پرست

سب کو معلوم ہے عالم یہ بنا کن کے لئے
وعدۂ انتم الاعلون ہے مومن کے لئے

ساتھیو آج مشیت کی ہے آواز یہی
جاگ اے روحِ عمل جاگ پیٹے بت شکنی
عزمِ مستحکم و ایمان سے حاصل کر لیں
اعتمادِ نظر و جذبِ دل و خود نگری

ساتھیو ہم کو مٹانی ہے ہر اک بولہبی
ہے یہی حاصلِ پیغامِ رسولِ عربیؐ

اپنے ایمان پہ اپنے کو فدا کرنا ہے
سنتِ حضرتِ منصور ادا کرنا ہے
تازہ کر دینا ہے پھر دار و رسن کا قصہ
عرصۂ دہر کو پھر کرب و بلا کرنا ہے

حرفِ ایماں کو زمانے میں جلی کرنا ہے
ہم کو پھر کارِ حسینؓ ابنِ علیؓ کرنا ہے

گلشنِ احمدؐ مرسل کی مہک ہیں ہم لوگ
رُخِ فاروقِ معظمؓ کی دمک ہیں ہم لوگ
ہیں ہمیں حیدرِ کرارؓ کے دم خم کے ولی
قوتِ بازوئے خالدؓ کی جھلک ہیں ہم لوگ

زندہ ایمانِ بلالِ حبشیؓ کرنا ہے
اب عیاں رنگِ اویسؓ قرنی کرنا ہے

ساتھیو کو کبِ و ناہید بنائیں اُٹھ کر
شامِ غم کو سحرِ عید بنائیں اُٹھ کر
آؤ ہر روح کو ہم مشعلِ ایماں کر دیں
دل کو پھر کعبۂ توحید بنائیں اُٹھ کر

مردِ مومن کی نگاہوں میں شرارے بھر دیں
چرخِ کونین میں ایماں کے ستارے بھر دیں

از: فقیہ اعظم سلطان المناظرین حضرت
مولانا الحاج مفتی محمد اجمل شاہ صاحب مفتی سنبھل

حضرت سید انبیا، محبوب کبریا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نور پاک موجودات میں پہلا موجود۔ اور مخلوقات میں اول مخلوق ہے۔ اس دعوے پر کثرت دلائل نقلیہ وعقلیہ قائم کئے جاچکے ہیں۔

ہر عقل سلیم یہ فیصلہ کرنے کیلئے مجبور ہے کہ ہر سلسلہ کی جانب ماضی میں چلتے چلتے ضرور ایک ایسی حد نکلتی ہے جس سے اس سلسلہ کی ابتدا کیجاتی ہے۔ اس حد کو اس سلسلہ کا مبدأ بھی کہا جاتا ہے۔ جس طرح سلسلۂ توالد تناسل بشری کی جانب ماضی میں ضرور ایک ایسی حد نکلتی ہے جس سے اس سلسلہ کی ابتدا ہوتی۔ اور یہ توالد اور تناسل کا سلسلہ صرف اسی ایک ذات سے شروع ہوا۔ کتب الٰہیہ میں اس ذات کا اسم گرامی حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام بتایا گیا ہے۔ اسی طرح اس سلسلہ ایجاد وتخلیق کی بھی زمانہ ماضی میں چلتے چلتے ایک ایسی ذات پر انتہا ہونی چاہیئے جس کو خالق عالم جل جلالہ نے سب سے پہلے پیدا کیا ہو۔ اور عالم ایجاد میں سب سے اول اسی پر فیضان وجود فرمایا ہو۔ اس وقت تمام مخلوقات معدوم ہوں سارے موجودات نابود ہوں۔ اور صرف وہی ایک ذات لباس وجود سے متصف ہوکر مخلوق اول کہلانے کی مستحق ہو۔

اسلام نے اسی مخلوق اول کا نام نور محمد نور محمد صلے اللہ علیہ وسلم تعلیم فرمایا۔ اسی بنا پر اصحاب سیر نے اس نور پاک کو حقیقۃ الحقائق، جنس عالی، رب العالم۔ اصل مخلوقات، مبدأ موجودات کے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے (مواہب لدنیہ و زرقانی)

اور اگر اس دعوے پر دلائل نقلیہ مطلوب ہوں تو سنئے۔ قرآن کریم ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(سورۂ حدید)

وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔

مدارج النبوۃ میں خطبہ کتاب اسی آیۃ کریمہ سے شروع کرکے یہ ثابت کیا کہ جس طرح یہ کلمات حمد وثنائے حق عز وجل ہیں۔ اسی طرح یہ صفات نعت حضور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی مشتمل ہیں۔

کلمۂ اول اگرچہ اسمائے الٰہی سے ایک اسم ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے اس اسم کو اپنے حبیب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا فرمایا ہے۔ جس طرح اپنے اسماء میں سے رؤف و رحیم وغیرہ اسماء حضور کو عطا فرمادیئے ہیں جس پر یہ آیۃ کریمہ صاف دلیل ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ)

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان اور رحم والے۔

اور حدیث میں ہے جس کے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرائیل نے مجھے آکر یوں سلام کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اٰخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ظَاهِرُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَاطِنُ۔

میں نے کہلا اے جبرائیل یہ تو خالق کی صفات ہیں۔ مخلوق کو کیونکر مل سکتی ہیں۔ جبرائیل نے عرض کی۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان صفات کے ساتھ آپ پر سلام عرض کروں۔ اس نے ان صفات کے ساتھ حضور کو فضیلت دی ہے اور تمام انبیاء ومرسلین پر آپکو خصوصیت بخشی ہے۔ اور اپنے نام وصفت سے حضور کے نام وصفت مشتق فرمائے۔ حضور کا نام اول اس لئے رکھا کہ آپ سب انبیاء سے آفرینش میں مقدم ہیں۔ اور آخر اسلئے رکھا کہ آپ ظہور میں سب سے موخر ہیں اور آخر الامم کی طرف خاتم الانبیاء ہیں۔ اور

باطن اسلئے رکھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضور کے باپ آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ساق عرش پر شرح تورات اپنے نام کیساتھ آپکا نام لکھا۔ اور مجھے حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا۔ میں نے ہزار سال حضور پر درود بھیجا۔ یہانتک کہ حق تعالےٰ نے حضور کو بشیر و نذیر اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور ظاہر اسلئے رکھا کہ اللہ نے اس زمانے میں آپکو تمام ادیان پر غلبہ دیا۔ اور آپ کا فضل و شرف سب اہل آسمان و زمین پر آشکارا کیا۔ تو انمیں کوئی ایسا نہیں جس نے حضور پر درود نہ بھیجا ہو۔ اللہ تعالےٰ آپ پر درود بھیجے۔ آپ کا رب تو محمود ہے اور آپ محمد۔ اور آپ کا رب اوّل اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے۔ اور آپ بھی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہیں۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت کو سنکر فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنِیْ عَلٰی جَمِیْعِ النَّبِیِّیْنَ حَتّٰی فِیْ اِسْمِیْ وَصِفَتِیْ (شرح شفا و زرقانی)

اس خدا کو حمد جس نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی یہانتک کہ میرے نام و صفت میں۔

نیز طبرانی و بیہقی و بزار کی روایت میں ہے کہ شب معراج جب ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک جماعت پر ہوا۔ انھوں نے حضور کو ان الفاظ سے سلام کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَوَّلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اٰخِرُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَاشِرُ۔

حضرت جبرائیل نے عرض کی حضور انکے سلام کا جواب دیجئے۔ یہ حضرات ابراہیم اور موسےٰ اور عیسےٰ علیہم السلام ہیں۔ (مواہب لدنیہ)

ان احادیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اسم اوّل عطا فرمایا اور اپنے مقربین و مرسلین کو اس نام کے ساتھ ندا کرنے کا حکم بھی فرمایا۔ مجھے اس مقام پر صرف اسم اوّل کا اثبات مقصود ہے اسلئے اسی کا اثبات بحث اسماء میں مذکور ہوچکا۔

الحاصل حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولیت نصوص سے ثابت ہے اب باقی رہی یہ بحث کہ یہ اولیت امور نسبیہ میں سے ہے تو حضور کی اولیت کس چیز کی نسبت کے لحاظ سے ہے۔ تو احادیث پر نظر کرنے سے یہ ظاہر ہوا کہ خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے مختلف طور پر اولیت کا اثبات کیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی میں مسلمانوں میں مسلم اول ہوں۔

(باقی آئندہ)

ماہنامہ پاسبان الہ آباد کی خصوصیات

عصر حاضر میں اردو رسائل کی کساد بازاری کا حال محتاج تشریح نہیں۔ بالخصوص اردو کے وہ رسائل جو مذہب و ملت کے ترجمان ہیں۔ بعض مذہبی رسائل کو اپنی مقررہ پالیسی سے کنارہ کش ہوکر تصویر، فوٹو، معمہ بازی جیسے وسائل کو اختیار کرنا پڑا۔ حالانکہ خود اس رسالہ کا باب الاستفتاء اسکی اجازت نہیں دیتا۔

مگر ایسے نازک دور میں ماہنامہ پاسبان "جس شائستہ پالیسی پر اپنے کو باقی رکھکر شاہراہ ترقی پر گامزن ہے یہ صرف پاسبان ہی کا حق ہے۔" پاسبان اصلاحی ادبی تاریخی مضامین کا گہوارہ اور محبت و عقیدت سے بھری نعت شریف و انقلابی نظم و شائستہ غزلیات کا مجموعہ ہے۔ قرآن عزیز کی تفسیر احادیث پاک کی تشریح، فقہی مسائل کی توضیح صحابہ کرام و اولیاء عظام کے حالات پر تبصرہ، اردو ادب میں زرین مقالے، مسلمانوں کو بیدار کرنے کیلئے ہر ماہ کی ملکی خبریں کا نچوڑ پیش کرنا پاسبان کا نصب العین ہے۔

پاسبان کے ۷۲ صفحات محض مضامین کیلئے وقف ہیں۔ اس حیثیت سے کوئی دوسرا رسالہ پاسبان "کا ہم پلہ نہیں۔

ملک کے عمائد و مشائخ و علماء اسلام پاسبان "کے ہیرو ہیں ہندوستان، پاکستان، افریقہ، عراق، بغداد، حجاز، مصر وغیرہ ماہنامہ پاسبان "کی رسائی ہے۔

پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسی پالیسی پر استقلال بخشے جو شریعت اسلامیہ کے موافق و مطابق ہو۔ اور شریعت کے خلاف ہمیں ایک انچ بھی آگے بڑھنے سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

منیجر پاسبان

امام محمد الغزالیؒ

از:-
حضرت حبیب القاہری

حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی اسلامی مفکرین اور مصلحین میں ایک خاص شہرت و امتیاز کے مالک ہیں۔ وہ نہ صرف مذہبی اعتبار سے ایک بلند مرتبے پر فائز ہیں بلکہ قوم کی اجتماعی زندگی میں اصلاح کرنے والے ایک زبردست قائد کی حیثیت سے بھی ایک وسیع حیثیت کے حامل ہیں۔ اور ان کا نام ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔

امام غزالی کو صرف ۵۵ سال عمر ملی۔ لیکن وہ اس مختصر عرصہ میں وہ کچھ کر گئے جو بعد کی نسلوں کے لئے ایک مستقل سرمایۂ ہدایت بن گیا۔ وہ بیک وقت بہت بڑے فقیہ، مدرس، مقرر، مصنف اور شاعر تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ فلسفے میں جداگانہ انداز خیال کے علم بردار اور ایک خاص طرز فکر کے بانی تھے۔ سیاست، امور مملکت، فلسفہ، اخلاق، طریق تعلیم و تربیت طرز معاشرت، نفسیات، لین دین ـــ حیات انسانی کا کون سا گوشہ ہے جس میں غزالی کے قلم اپنے جوہر نہیں دکھائے؟ اور پھر ان کی زندگی کا آخری حصہ جس طرح گذرا وہ کس قدر قابل رشک ہے! اس زمانہ میں انہوں نے خود کو دنیا اور علائق دنیوی سے الگ کر کے خدا اور صرف خدا کے ساتھ ناطہ جوڑ لیا تھا۔ اور جب وہ اپنے خالق سے ملے تو اپنے پیرؤں کی ایک کثیر تعداد چھوڑ گئے۔ جن کا کام یاد الٰہی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

یہ مصلح اعظم ایک ایسے دور میں پیدا ہوا جب اسلامی پرچم یورپ، ایشیا اور افریقہ کی سرزمین پر پوری شان و شوکت سے لہرا رہا تھا۔ اور اسلامی عظمت کا سکہ ساری دنیا کے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ مسلمان نشۂ حکومت میں مست تھے۔ فتح و کامرانی کے غلبہ نے ان کے دل و دماغ سے وہ تعلیمات محو کر دی تھیں۔ جو صرف ساڑھے چار سو برس پہلے دنیا کا آخری نبیؐ ان کے لئے لایا تھا۔ ایسے نازک وقت میں امام محمد الغزالی عالم اسلام کے علمی و سیاسی افق پر چمکے۔ وہ ان تباہیوں کے خاموش تماشائی نہیں بنے اور کشتیٔ ملت کے ڈوبنے کا نظارہ نہیں کرتے رہے۔ وہ خود بھی ان مہیب طوفانوں میں گھر

اور پوری ہمت اور ایمانی جرأت کے ساتھ میدان میں آگئے۔

غزالی کو ان بادشاہوں اور وزیروں کا مقابلہ بھی کرنا پڑا جن کے غرور اور بد دماغی سے ایک دنیا لرزہ براندام تھی۔ اور ان امیروں کا بھی سامنا کرنا پڑا جو فکر فردا سے بے نیاز اپنے حال میں مست تھے اور ایسے مشغلوں میں پھنسے ہوئے تھے جن پر ادنیٰ سی نکتہ چینی بھی انہیں گوارہ نہ تھی۔ غزالی فاتح حکمرانوں سے ہراساں نہیں ہوئے۔ وہ باتدبیر وزیروں کی سیاسی بازیگری سے ذرا بھی حیران نہیں ہوئے۔ امیروں اور رئیسوں کی ریشہ دوانیوں کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور قوم پر چھائی ہوئی نکبت و پستی نے ان کے ارادوں میں ذرا بھی تزلزل نہ پیدا کیا۔ انہوں نے بادشاہوں کو نصیحتیں کیں۔ وزیروں کو سیاست کی تعلیم دی۔ معززین کو تنبیہ کی اور عوام کو اس طرح خبردار کیا جس طرح طوفان کی آمد کا اندازہ کرنے والا بستی والوں کو پہلے ہی خطرے سے آگاہ کر دیتا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں عباسیوں کی حکومت انتہائی عروج پر پہنچنے کے بعد مائل بہ انحطاط تھی۔ علوم و فنون کے سوتے خشک ہونے لگے تھے اور اجتہاد اور تحقیق کے بجائے تعصب و تقلید کا دور دورہ تھا۔ خلیفۃ المسلمین کی ماتحتی میں ایک ترکی خاندان نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ یہ خاندان جو تاریخ میں آل سلجوق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اتنا با اختیار بن گیا کہ امیر المومنین کا ہر اقدام الا کے مشورے سے ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ۴۲۹ھ میں طغرل کی بدولت یہ خاندان حاکم بن بیٹھا اور اس کے جانشین ملک شاہ اور الپ ارسلان وغیرہ کو دنیا بادشاہ سمجھنے لگی۔ ان لوگوں نے اتنا اقتدار حاصل کیا کہ خطبوں میں خلیفۃ المسلمین کے ان کا نام بھی لیا جانے لگا۔ طغرل اپنے ساتھ علم دوستی اور علماء اور فضلاء سے محبت کا جذبہ بھی لے کر آیا تھا۔ جس نے اسکے دربار کو بہت جلد عالموں اور فاضلوں کا مرجع بنا دیا۔ چنانچہ بغداد کے بعد عالم اسلام میں علمی حیثیت سے اگر کسی شہر کو شہرت حاصل ہوئی تو وہ نیشاپور تھا جس کو مرکز علوم

فنون بنانے کے لئے طغرل نے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ اگر بغداد کو ابو اسحٰق شیرازی پر ناز تھا تو نیشاپور کو حضرت امام الحرمین پر فخر تھا۔

امام الغزالی سنہ ۴۵۰ھ میں، خراسان کے ایک ضلع طابران میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد سوت کا کاروبار کرتے تھے۔ اور اسی بنا پر غزال کہلاتے تھے۔ باپ نے اپنے نام پر بیٹے کا محمد رکھا جو اپنے باپ کے پیشے کی مناسبت سے غزالی مشہور ہوا۔ اگرچہ باپ خود تعلیم نہیں پا سکا تھا۔ پھر بھی اپنے دل میں یہ شوق رکھتا تھا کہ اس کا لڑکا غیر تعلیم یافتہ نہ رہے۔ ابھی اس کی یہ تمنا پوری ہونے کا وقت نہیں آیا تھا کہ اسے موت نے آلیا۔ اس نے مرتے وقت اپنے ایک دوست کو بلایا اور جو کچھ پاس تھا سپرد کر کے وصیت کی کہ اسکے دونوں بچوں احمد اور محمد کی تعلیم ان کے ذمہ ہے۔ دونوں بھائیوں کی تعلیم شروع ہوئی۔ ابھی ابتدا ہی تھی کہ باپ کا دیا ہوا روپیہ ختم ہوگیا۔

دونوں بھائی ایک مکتب میں داخل کر دیئے گئے۔ اس مکتب کا خرچ شہر کے روٴسا برداشت کرتے تھے۔ اور طلباء کے قیام و طعام کے مصارف بھی انہی کے ذمے تھے۔ محمد الغزالی نے ابتدائی تعلیم اسی مکتب میں حاصل کی۔ اسکے بعد جرجان چلے گئے اور امام ابو نصر اسمٰعیلی کی درسگاہ میں داخل ہوگئے۔ جب وہ ثانوی تعلیم سے فارغ ہو کر گھر واپس جانے لگے تو راستے میں ڈاکہ پڑا اور ڈاکوؤں نے ان کے سامان کے ساتھ وہ بیاض بھی لوٹ لی جو اب تک ان کی زندگی کا سرمایہ تھی۔ اسمیں وہ سب کچھ تھا جو انہوں نے اس وقت تک پڑھا تھا اور جسے انہوں نے استاد کے کہنے سے تیار کیا تھا۔ امام کو سامان لٹ جانے کا اتنا افسوس نہ تھا جتنا اس بیاض کے چلے جانے کا۔ چنانچہ انہوں نے ڈاکوؤں کے سردار کے پاس جا کر اسکی واپسی کیلئے درخواست کی۔ وہ اس عجیب و غریب درخواست پر بہت ہنسا۔ اور کہنے لگا تم نے پڑھا ہے یا بھاڑ جھونکا ہے۔ کتاب غائب ہوگئی تو جو کچھ پڑھا تھا وہ سب بھی دماغ سے نکل گیا؟ یہ کہکر اس نے ان کے کاغذات واپس کر دیئے لیکن غزالی پر اس جواب کا بہت اثر ہوا۔ اور گھر پہنچکر انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ اس بیاض کو ازبر کرنا شروع کر دیا۔ یعنی برابر وہ ان اسباق کو یاد کرتے رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی قابلیت اس حد تک پہنچ گئی کہ معمولی علماء سے ان کی کشتی نہیں ہوتی تھی۔ اسلئے اعلیٰ تعلیم کے لئے پھر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ نیشاپور پہنچے۔ یہاں آل سلجوق کے نامور وزیر نظام الملک کا بنوایا ہوا ایک بہت بڑا مدرسہ تھا۔ جس کے صدر مدرس امام الحرمین تھے۔ غزالی اسی مدرسے میں داخل ہوئے اور امام الحرمین کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔

امام الحرمین کے فضل و کمال اور اقتدار کا اس وقت کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ تمام مذہبی شعبوں کے وہ نگراں تھے، بڑے بڑے امراء ان کی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ بلکہ خود بادشاہ ملک شاہ ان کے ہر ارشاد کی تعمیل باعث سعادت سمجھتا تھا۔ محمد الغزالی نے امام صاحب کی خدمت میں حاضر رہ کر پوری توجہ اور انتہائی محنت سے تکمیل علم کی اور ان کے شاگردوں میں ممتاز درجہ حاصل کیا۔ اُن کے تین شاگردوں میں سے صرف غزالی ہی کو باقی طلباء کے پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر بھی غزالی نے امام الحرمین کا در نہیں چھوڑا۔ ان کی علمی مجالس میں شریک رہتے اور تصنیف و تالیف اور مناظرے میں اپنا سارا وقت صرف کرتے تھے۔ امام الحرمین نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔ ان کے انتقال کے بعد غزالی نیشاپور نہ رہ سکے۔ اور وہاں سے اس شان سے نکلے کہ تمام عالم اسلام میں کوئی شخص ان کی قابلیت اور علمیت تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔ اس وقت اُن کی عمر صرف ۲۸ برس تھی اور ساری علمی دنیا پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

امام صاحب کی شہرت ان کو ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اعظم نظام الملک کے دربار میں لے گئی۔ نظام الملک پہلے ہی سے ان کا معترف تھا۔ چنانچہ اس نے انہیں نظامیہ کا صدر مدرس مقرر کیا۔ یہ اتنا بڑا شرف تھا کہ بڑے بڑے علماء اپنی عمریں اس کی آرزو ہی میں گذار دیتے تھے۔ امام صاحب کو یہ عزت ۳۴ برس کی عمر میں ملی جو ان کے بعد کسی اور کو اتنی کم عمر میں نصیب نہیں ہوئی۔ امام غزالی ۴۸۴ھ میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے۔ اور نظامیہ کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کا وقار اس قدر بڑھ گیا کہ وہ ارکان سلطنت کے ہمدوش ہوگئے۔ ان کے جاہ و جلال نے امراء و وزراء کو بھی دبا لیا۔ یہاں تک کہ مملکت کے بڑے بڑے مسائل اور معاملات ان کے مشورے اور شرکت کے بغیر طے نہیں ہو پاتے تھے۔ یہ تو تھی ان کی دنیاوی عظمت، اور علمی پایہ یہ تھا کہ ان کے درس میں تین سو مدرس اور ایک سو روٴسا و امراء روزانہ حاضر ہوتے تھے۔ درس کے علاوہ وہ وعظ بھی کہتے تھے۔ ان مواعظ میں وہ ہمیشہ علمی مسائل پر روشنی ڈالتے تھے۔ نظامیہ کی صدر مدرسی کے زمانے میں انہوں نے ایک سو تراسی (۱۸۳) وعظ فرمائے جو اب بھی مجالس غزالیہ کے نام سے مرتب ہوئے۔

امام صاحب اس طرح عزت و شہرت اور آرام کی زندگی گذار ہی رہے تھے کہ ان کی طبیعت نے پلٹا کھایا۔ اور وہ دنیا پر لات مار کر گوشہ نشین ہوگئے۔

دنیا سے بہتوں نے کنارہ کشی کی ہے لیکن امام کی علیحدگی کا انداز کچھ اور ہے۔ اپنی کتاب "منقذ من الضلال" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"چونکہ میری طبیعت شروع ہی سے تحقیق کی طرف مائل تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی۔ اور جو عقائد بچپن سے سنتے سنتے ذہن میں جم گئے تھے ان کی وقعت جاتی رہی۔ میں نے خیال کیا کہ اس قسم کے تقلیدی عقائد تو عیسائی یہودی وغیرہ سب ہی رکھتے ہیں۔ اصلی علم وہ ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔" آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"سب سے آخر تصوف کا مطالعہ کیا۔ چونکہ یہ فن در حقیقت عملی ہے۔ اسلئے علم سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اور عمل کیلئے ضروری تھا کہ اللہ کی عبادت اور پاکبازی پر پوری توجہ دی جائے۔ ادھر اپنے مشغلوں کو دیکھا تو کسی میں خلوص نہ تھا۔ پڑھنے پڑھانے میں اسلئے طبیعت لگتی تھی کہ اس سے شہرت اور عزت میں اضافہ ہوتا تھا۔ ان واقعات نے دل میں خیال پیدا کیا کہ بغداد سے نکل کھڑا ہوں اور سب تعلقات چھوڑ دوں۔ چھ مہینے پس و پیش میں گذر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بولنے تک کو جی نہ چاہتا تھا۔ سبق دینا بند ہوگیا ہر قسم کی قوت جاتی رہی۔ طبیبوں نے علاج سے ہاتھ کھینچ لیا۔ آخر کار میں نے سفر کا پکا ارادہ کیا۔ تمام عالموں۔ رئیسوں اور وزیروں نے مجھے روکنا چاہا لیکن میں اصل حقیقت کو پہنچ چکا تھا۔"

غزالی کا اصل حقیقت تک پہونچ جانا ان کی عقل کے کمال کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ یہ ان کی عقلی ترقی کی آخری منزل تھی۔ یہی وہ منزل ہے جسے مرتبۂ "وحدۃ الوجود" کہا جاتا ہے۔ غزالی اس مرتبہ تک فلسفہ کی راہ سے پہنچے تھے۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے دنیا کو بہت سے اللہ والوں نے چھوڑا ہے لیکن ان کا طریقہ اور ہے، غزالی کا طریقہ اور تھا۔ اسی لئے غزالی کا شمار "مشائخ" میں نہیں کیا جاتا اور نہ ان سے کوئی [illegible] ہے۔ انہوں نے ادراکِ حقیقت کا مقام پا لینے کے بعد دوسروں کو بھی اس تک پہنچنے کی راہ دکھانا شروع کی۔ اس کے لئے سب سے پہلے انہوں نے خود راہبانہ زندگی اختیار کی۔ مستی و بے اختیاری کے عالم میں بغداد سے نکلے۔ بدن پر حریر و دیبا کے بجائے کمبل تھا۔ اور کھانے کو جو کچھ مل جائے غنیمت تھا۔ اسی حال میں وہ دمشق پہونچے۔ دو برس تک جامع اموی میں مجاہدہ اور مراقبہ کرتے رہے اور خدا کی یاد میں دنیا کو بھلا بیٹھے۔

لیکن علمی مشغلے یہاں کبھی نہ چھوٹے۔ وہ اس حال میں بھی دمشق کی مشہور جامع مسجد میں برابر درس دیتے تھے۔ دو سال بعد بیت المقدس کا رخ کیا۔ وہاں کچھ دن یاد الٰہی میں بسر کئے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور تین باتوں کا عہد کیا۔

(۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔

(۲) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ قبول کروں گا۔

(۳) کسی سے بحث نہ کروں گا۔

اس کے بعد حج کی نیت کی اور ایک عرصہ مکہ معظمہ میں رہ کر مصر چلے گئے۔ غرض وہ دس برس مقامات مقدسہ کی زیارت کرتے رہے۔ اکثر اوقات ویرانوں میں نکل جاتے۔ چلنے پھرنے اور کھانے پینے سے بے نیاز رہ کر اللہ کو یاد کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں وہ مشہور عالم کتاب لکھی جو ان کی شہرت کا سنگ بنیاد ثابت ہوئی یعنی "احیاء علوم الدین"۔

فلسفۂ اخلاق پر غزالی سے پہلے بھی کئی مصنفوں نے خامہ فرسائی کی ہے لیکن ان میں سے کسی کی تصنیف کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو "احیاء علوم الدین" کو ہوئی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فلاسفۂ یونان سے لیکر غزالی کے زمانہ تک علم الاخلاق اور علم النفس پر اس پایہ کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس میں فلسفہ اور تلقین غزالی دونوں ہیں۔ غزالی سے پہلے حکمائے یونان نے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ جو عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔ اور ان سے فائدہ [illegible] ہوئے بوعلی سینا اور فارابی وغیرہ نے بھی فلسفیانہ انداز میں [illegible] مذہبی پیرائے میں ابوطالب مکی وغیرہ کی کتابیں بھی مشہور [illegible]۔ لیکن ان میں کوئی بھی وہ مقبولیت اور شہرت حاصل نہ کرسکی جو غزالی کی تصنیف کو نصیب [illegible] فلسفیانہ رنگ کی کتابیں دقتِ بیان کی وجہ سے مقبول نہ ہوئیں۔ اور [illegible] کی کتابیں عقلی استدلال سے خالی تھیں۔ اسلئے تشفی [illegible] فلسفہ و مذہب دونوں کو سمو کر احیاء علوم [illegible] لکھی [illegible] سادگی [illegible] سبب وہ مقبولیت [illegible]

[illegible]

چرالیاہے۔

"احیاء العلوم" کو عوام و خواص نے اس قدر پسند کیا کہ بڑے بڑے علماء نے اس کے خلاصے تیار کئے جنہیں وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے اس مقبولیت کا سب سے بڑا سبب خود امام کی والہیت اور احساسِ فرض ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"میں نے دیکھا کہ بیماریاں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ آخرت کی نیکیوں کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ جو علماء راہ نما تھے زمانہ ان سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ جو رہ گئے ہیں وہ نام کے عالم ہیں اور انہیں ذاتی غرضوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ علم آخرت دنیا سے ناپید ہو گیا ہے۔ اور لوگ اس کو بھلا چکے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور مہر سکوت توڑ دی۔"

امام صاحب نے "احیاء العلوم" میں نہ صرف انسان کی اخلاقی کمزوریوں کو نام لے لیکر گنایا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ فرد کی اخلاقی پستی سے خانگی اور اجتماعی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور انسان خدا اور نیکی سے کتنا دور ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں انسانی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جس کے متعلق امام صاحب نے اپنے خیالات نہ ظاہر کئے ہوں۔ اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اور سونے سے لے کر جلسوں، مجلسوں اور دعوتوں میں شرکت کے آداب، جذبات و خیالات کی اچھائیاں اور برائیاں، انسان کی اندرونی کیفیات اور قلبی واردات سب پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ نفسیاتی الجھنوں کو اس چابکدستی سے سلجھایا ہے اور نفسیاتی بیماریوں کے ایسے موثر اور آسان علاج بتائے ہیں جو صرف ایک ماہر علم النفس ہی کا حصہ ہیں۔ یہ کہنا شائد غلط نہ ہوگا کہ اسلامی مفکروں میں امام غزالی ہی نے سب سے پہلے نفسیات کے موضوع پر اس قدر وضاحت سے لکھا ہے اور اسے عوام و خواص سے روشناس کرایا ہے صحرا نوردی کے عالم میں ایسی بے نظر کتاب ترتیب دینا یقیناً حیرت انگیز ہے۔

امام صاحب کا بیان ہے کہ مجاہدات اور یادِ الہی نے مجھ میں ایسی صفائی پیدا کر دی کہ تمام پردے اٹھ گئے اور جس قدر شکوک و شبہے تھے خود بخود جاتے رہے۔ جب ان پر انکشافِ حق ہوا تو انہوں نے محسوس کیا کہ زمانے کا زمانہ مذہب سے بیزار ہوتا جا رہا ہے اور فلسفہ و منطق کے مقابلے میں مذہبی عقیدوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ یہ دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ گوشہ نشینی سے نکل کر پھر میدان میں آئیں اور مذہب سے بیزار عوام کی رہنمائی کریں۔ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ نظام الملک کے بڑے بیٹے فخر الملک کا پیغام پہنچا کہ درس دے کر اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہونچایئے۔ یہ پیغام کچھ ایسا تھا کہ امام صاحب مجبور ہو گئے اور نیشاپور کے مدرسۂ نظامیہ میں مسندِ درس کو زینت دی اور پہلے کی طرح پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو گئے۔ اسی زمانہ میں بغداد کے نظامیہ کی حالت بگڑنے لگی۔ چونکہ یہ مدرسہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی درسگاہ تھا۔ اس لئے احمد بن نظام الملک نے غزالی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ پھر بغداد تشریف لے آئیں۔ لیکن وہ کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ نیشاپور ہی میں مقیم رہ کر تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ امام صاحب کی تصنیفات بہت ہیں۔ انہوں نے کل ۵۴-۵۵ برس کی عمر پائی۔ ۲۰ برس سے کتابیں لکھنی شروع کیں۔ دس گیارہ برس جنگلوں اور زیارت گاہوں کی نذر ہوئے۔ پڑھانے اور فتوے لکھنے کا مشغلہ اس کے علاوہ تھا لیکن اس مصروفیت کے عالم میں بھی انہوں نے تقریباً ۹۹ کتابیں لکھیں جو اپنے اپنے فنون میں بے نظیر ہیں۔ اور پوری تحقیق و جانفشانی کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ علامہ نووی نے لکھا ہے:-

"میں نے امام غزالی کی عمر اور ان کی تصنیفات کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ اوسطاً سولہ صفحے روزانہ لکھتے تھے۔"

امام صاحب شاعر بھی تھے۔ ان کا زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔ جو حقائق و معارف سے لبریز اور ان کی ذات کے شایانِ شان ہے کیونکہ یہ تمام تر تصوف اور عشقِ حقیقی کا آئینہ دار ہے۔

کلامِ غزالی:

علم کلام میں غزالی کا وہی مرتبہ ہے جو منطق میں ارسطو کا۔ مشہور مورخ ابن خلدون نے دعویٰ کیا ہے کہ امام غزالی سے پہلے انہی نے اس فن کو مرتب کیا۔ اور عقیدوں کی صداقت عقل سے ثابت کیا۔ انہوں نے معتزلیوں کے دورِ عروج میں اس طرح کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علماء کے عصر یونانی فلسفے کے نشے میں چور تھے۔ فلسفے نے ان کی آنکھوں کو اس قدر خیرہ کر دیا تھا کہ وہ معتقدات و مسلمات کو بھی فلسفہ کی عینک لگا کر دیکھتے تھے۔ مذہبی عقائد کی تشریح کے لئے فلسفیانہ اصطلاحات تراشی گئیں۔ خلاق عالم کی تشریح واجب الوجود۔ خلق عالم کی تشریح [illegible] اور [illegible] کی تشریح علم انسانیت کی جاتی تھی۔ علماء کا یہ گروہ اتنا [illegible] ہو گیا تھا کہ انہوں نے قرآن و حدیث کی مسلمہ تشریحات سے

فلسفہ سے مطابق کرنے کے لئے تاویلوں کا باب فساد کھول دیا اور مذہب کو [illegible] کر دیا۔ تخریب کے اس سیلاب کو روکنے کے لئے امام ابوالحسن اشعری میدان میں آئے۔ انہوں نے صرف انہی خیالات کے ابطال پر اکتفا نہیں کی بلکہ فلسفیانہ مسلمات کی دھجیاں بکھیرنی شروع کر دیں۔ امام اشعری [illegible] یونانی [illegible] مقابلے میں فلسفہ اسلام کا ظہور ہوا اور [illegible] امام اشعری تک تو خیر اس رد و ابطال میں ایک حد تک اعتدال رہا لیکن جو لوگ ان کے بعد آئے وہ ان بنیادوں کو استوار رکھنے میں ناکام رہے۔ اشعری کے متبعین، معتزلہ کے رد میں ایسی ایسی باتیں لکھنے لگے جن سے عقائد کی کتابیں ایک گورکھ دھندا بن کر رہ گئیں۔ انہوں نے عقائد میں ایسی ایسی باتیں داخل کر دیں جن کا مذہب سے کوئی قریبی تعلق نہ تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کے دلوں میں معتقدات کے بارے میں اور زیادہ شکوک پیدا ہو گئے۔ وجود باری تعالیٰ، نبوت، معجزات، قیامت، روح کی حقیقت اور حیات بعد الممات کے مسائل عوام کی عقل سے ایک تو پہلے ہی باہر تھے اور منطق اور فلسفہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت نے ان کے دلوں میں اور زیادہ شک پیدا کر دیئے اور وہ اسلام کے بنیادی اصولوں سے بیگانہ ہو گئے۔

امام غزالی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عقلی طور پر اسلامی عقائد کو ثابت کیا اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی گمراہی کو روکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کی اور خدمات نظر انداز کر دی جائیں تو بھی صرف یہی ایک خدمت ان کے مرتبے اور عزت کو مسلمانوں کی نظروں میں باقی رکھنے کے لئے کافی ہے انہوں نے قرآن اور حدیث کی تاویل کے حدود مقرر کر دیئے اور ان مسائل کو عقائد سے خارج کر دیا جو لوگوں نے اسلام میں "زبردستی" داخل کر دیئے تھے۔ اس طرح گروہ بندیوں کی وجہ سے تکفیر کا جو طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اعتدال پر آ گیا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس کی طرف سے ان سے پہلے کسی اور اسلامی مفکر نے اس انداز سے توجہ نہیں کی تھی۔ روحانیت، مذہب اور عقائد کے مسئلوں کو جس مفکرانہ اور ماہرانہ انداز میں انہوں نے سلجھایا ہے وہ ملت اسلامیہ پر ایک احسان عظیم ہے۔

مذہبی خدمات کے ساتھ ساتھ امام غزالی کی قومی و ملی خدمات بھی کچھ کم نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے زمانہ میں اسلامی حکومت اپنی وسعت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی اور مسلمان دنیا کی فاتح قوموں میں گنے جاتے تھے لیکن فاتح اور [illegible] ان کی شان نہ تو خود عام مسلمانوں میں تھی اور نہ ان کے بادشاہوں میں۔ مطلق العنانی اسلامی جمہوریت و مساوات پر غالب آ چکی تھی۔ مسلمان ذاتی اقتدار اور شخصی حکومتوں کے لئے اپنے بھائیوں کے گلے کاٹتے تھے۔ خونریز لڑائیاں ہوتی تھیں۔ شہر کا شہر تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔ آبادیاں ویرانوں میں بدل جاتی تھیں اور شخصی اقتدار کے لئے وہ سب کچھ کیا جاتا تھا جس کی اسلام نے شدت سے مخالفت کی تھی۔

امام غزالی نے یہ حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ انہوں نے علما کے عام طریقے کے خلاف بادشاہوں کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ داخلی اور خارجی معاملات میں دخل دینا شروع کیا۔ بادشاہوں کو حکومت [illegible] کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرنا شروع کیا۔ اسلامی حکومتوں کے آئین و اصول پر کتابیں لکھیں۔ اپنے مواعظ میں اسلامی حکومت کی حقیقت سے عوام و خواص کو آگاہ کیا۔

مکاتیب: اس سلسلہ میں امام صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ وہ خطوط ہیں جو انہوں نے شاہان اسلام اور وزیروں کے نام لکھے۔ ان میں انہوں نے نہایت صفائی سے بتایا کہ حکومت اسلامی یا حکومت الٰہیہ کسے کہتے ہیں۔ اور ان کے طرز حکومت اور طریقہ وزارت میں کیا کیا خرابیاں ہیں۔ یہ خطوط، جو امام کی قوت انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہیں۔ تعداد میں کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ان میں پند و نصیحت کا رنگ بھی ہے اور فلسفیانہ انداز بیان بھی۔ استدلال بھی ہے اور قرآن و احادیث کے حوالے بھی یہ خطوط جہاں تک مل سکے ہیں یکجا کر کے شائع کئے جا چکے ہیں۔

امام غزالی نے نظام حکومت کو اسلامی بنانے کے لئے صرف خطوط نویسی اور وعظ و تبلیغ پر ہی اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ایک مشہور خاندان کے ایک معزز فرد عبداللہ بن تومرت کو اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے ابھارا بھی۔ عبداللہ ایک نئی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ جو ایک عرصہ تک قائم رہی اور تاریخ میں موحدین کی حکومت کے نام سے مشہور ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام صاحب بڑی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے۔ اسلامی حکومت میں شخصی اقتدار کے لئے جو لڑائیاں ہوتی تھیں وہ بند ہو گئیں۔ اور امن و امان قائم ہو گیا۔ بیکار اور غلط ٹیکسوں کے جو طریقے جاری تھے وہ ختم ہو گئے۔

امام غزالی آخر عمر میں بالکل گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور بادشاہوں اور امیروں کے شدید اصرار کے باوجود بھی بہت ہی مستغنی [illegible] وہ دن رات اللہ کی یاد میں بسر کرتے تھے۔ [illegible] ایک دن صبح کو بستر سے اٹھے۔ وضو کر کے نماز پڑھی۔ کفن منگوایا اور آنکھوں [illegible] اور پھر پاؤں [illegible] لوگوں نے دیکھا تو وہ [illegible] پہنچ چکے تھے۔ یہ واقعہ دوشنبہ ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ ہوا۔

غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند زریں اقوال

جناب محمد طفیل نسیم (ادیب فاضل)

(۱) زبان کو غیبت سے باز رکھ کیونکہ غیبت نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

(۲) زبان کو سچ بولنے کی عادت ڈال اور کبھی قصداً یا سہواً جھوٹ نہ بول۔

(۳) بدگمانی سے بچ۔

(۴) مسخرہ پن سے پرہیز کر۔

(۵) نماز مومن کے لئے بمنزلہ معراج ہے۔

(۶) عمل وہی ہے جو معتبر ہو۔

(۷) جس نے اپنے اعمال لوگوں کو دکھانے کے لئے کئے اس کا کوئی عمل قبول نہیں۔

(۸) کتاب اللہ اور سنت رسول کے سایہ میں چل۔

(۹) مسلمانوں کے لئے رسول کریم کا اسوۂ حسنہ ہی مرکز حیات اور علم و عرفان کا سرچ لائٹ ہے۔

(۱۰) یہ دنیا سمندر ہے اور تیرا ایمان کشتی۔ (۱۱) اپنا بوجھ خود برداشت کر اور کسی پر نہ ڈال۔

(۱۲) حسن خلق یہ ہے کہ تم پر جفائے خلق کا اثر نہ ہو۔

(۱۳) مومن کامل دنیا و آخرت میں وعدہ خلافی نہیں کرتا اور بخیل نہیں ہوتا۔

(۱۴) تواضع یہ ہے کہ جس کسی کو ملے اپنے سے بہتر و افضل جانے۔

(۱۵) اس چیز کی طمع مت کر جو ہاتھ نہیں آسکتی۔

(۱۶) نیکی کا انحصار انہیں دو باتوں پر ہے کہ خدا کے حکم کی تعظیم کر اور مخلوق خدا پر شفقت۔

مرد مسلم سے خطاب

(از جناب مولینا مصطفےٰ رضا صاحب شبنم)

چھایا ہے ہر سمت اندھیرا ✦ رات اندھیری ٹوٹا بیڑا [illegible]
کوئی نہ مانجھی میرا تیرا ✦ موج بلا نے ہے آگھیرا

خواب حسیں میں کھونے والے
منزل تک پہونچو گے کیسے

روٹھ چکے ہیں چاند ستارے ✦ سمت مخالف میں ہیں دھارے
ہیں اتنے غمگین نظارے ✦ پھر بھی یہ امید ہے پیارے

منزل اتنی دور نہیں ہے
تو اب بھی مجبور نہیں ہے

چھائی ہیں گھنگھور گھٹائیں ✦ گونج اٹھیں پُر درد صدائیں
ہوتی ہیں ہر سمت جفائیں ✦ ہیں اتنی پُر درد فضائیں

پھر بھی تجھے احساس نہیں ہے
عزت کا کچھ پاس نہیں ہے

خواب سے اٹھو آنکھیں کھولو ✦ چپ نہ رہو تم بھی کچھ بولو
عزم کے دریا میں منہ دھولو ✦ بزم جہاں میں رنگ وہ گھولو

کانپ اٹھے ہر ذرہ ذرہ
پیش نظر ہو پہلا نقشہ

بھول گیا اسلاف کی باتیں ✦ خون غریباں کی برساتیں
سارا دشمن قتل کی گھاتیں ✦ تیغ بکف کٹتی تھی راتیں

پھر بھی ہوئے وہ سب پر غالب
کاٹ لئے دشمن کے قالب

ہے تو بھی وہ پارۂ اخگر ✦ جس کی لپٹ ہے قصر عدو پر
ہوش میں آ اور باندھ لے خنجر ✦ کبر جھکے گا تیرے قدم پر

دنیا تیری ہو جائے گی
گیت تمہارا ہی گائے گی

صبح کا سہانا وقت تھا، رات بھر روتی ہوئی اوس کے آنسو دں کو آفتاب کی سنہری کرنیں اپنے آپ سے جذب کر رہی تھیں، پرندے چہچہاتے ہوئے دانے چگنے کی تلاش میں پرواز کرتے فضا کے سکوت کو توڑ رہے تھے۔ چرواہے اپنے جانوروں کے گلوں کو ہنکالتے اور اپنے میٹھے دیہاتی انداز میں کچھ گاتے چلے جا رہے تھے۔ بستی کے بڑے بوڑھے جو روزانہ ہی صبح سویرے اٹھکر فطرت کی رنگینیوں کا مشاہدہ کرنے کے لئے میل دو میل پیدل جایا کرتے تھے اپنے گھروں کو واپس آ رہے ہیں اور پرانی وضع کے ایک مولوی صاحب ہاتھ میں حقہ اور بغل میں اپنی چھتری دبائے مدرسے جا رہے تھے۔ کہ ان کی نظر مکتب سے ملے ہوئے ایک مکان کے دروازے پر پڑی۔ انہوں نے اپنی نظر نیچے جھکا لی، مگر کیا سوچا کر کھڑے ہو گئے۔

"میں آپ ہی کے انتظار میں ہوں" یہ ایک کمسن بیوہ کی آواز تھی۔ جس کے شوہر مرے ہوئے چار سال ہو چکے تھے۔ اور جو اپنے دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی۔

"مجھکو کہتی ہو بیٹی؟" مولوی صاحب نے بڑی حسرت بھری اداؤں سے سوال کیا۔

"جی ہاں!"

"بولو! کیا بات ہے؟"

"آئیے نا!"

"اچھا کہو! کیا بات ہے؟" مولوی صاحب نے نزدیک جاکر پوچھا۔

"اس بیوہ کی ایک درخواست ہے ...... کہ اب آپ کا محمود پانچ سال کا ہو گیا ...... اب بھی تو اس کو غلامی میں قبول کر لیتے ...... ہائے میرے دن ......" اتنا کہتے ہی آواز گلوگیر ہو گئی۔

"مت روؤ بیٹی! ..... اللہ تعالیٰ تمہارا دن پھیرے گا اور ضرور پھیرے گا۔ ... کہاں ہے محمود ......" مولوی صاحب کی آواز بھی بھرا گئی۔

حمیدہ اندر گئی اور محمود کو صاف ستھرا کپڑا پہنا کر لائی اور مولوی صاحب کے ہاتھ میں اس کا دونوں ہاتھ رکھکر رونے لگی۔ تو مولوی صاحب نے تسلی اور تشفی دیتے ہوئے کہا۔

"اب تم اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو جاؤ، ہم سے جو ہو سکے گا، اس سے باز نہیں آئیں گے!"

"مگر یہ بدنصیب بیوہ آپ کی خدمت کیا کرتی کہ آپ ہی کو اس کی کتاب کے لئے بھی تکلیف دے رہی ہے"

"کوئی حرج نہیں ہے میرے پاس بہت سی کتابیں ہیں تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ کہہ دیا نا کہ اب اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو جاؤ" مولوی صاحب نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا اور قدم بڑھانا ہی چاہا تھے کہ حمیدہ کی صورت سامنے آگئی اور خود بخود ہی ٹھہر گئے۔ اور پوچھا۔

"اور بھی کچھ کہو گی بیٹی؟"

"بہت شرم معلوم ہوتی ہے!"

"بے جھجک بولو، شرم کی کوئی ضرورت نہیں!"

حمیدہ نے بہت شرماتے اور لجاتے ہوئے چپکے سے کہا "عرض یہی کرنا تھی کہ کوئی بات ایسی نہ ہوتی جس سے یہ اپنے کو بن باپ کا سمجھ جائے اور اپنے ساتھ مجھے بھی ہلکان کر دے"

"اوہ! میں سمجھ گیا ...... نہیں نہیں!! تم یقین مانو اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہ ہونے دیں گے" مولوی صاحب نے یہ کہا اور محمود کی انگلی پکڑ کر "چل چلو میرے ساتھ ...... ہم لوگ نانا ناتی دونوں مدرسہ میں رہیں گے ......" کہتے ہوئے مدرسہ میں داخل ہو گئے۔

(۲)

عید کی دوسری تاریخ تھی اور محمود کو مولوی صاحب کے مدرسہ میں آئے ہوئے ایک سال ہو چکا تھا۔ آج بچے نئی نئی کتابیں شروع کر رہے تھے اور ہر لڑکے دو کنے چار آنے بعض روپے لاکر مولوی صاحب کو دے رہے تھے۔ جب محمود کی باری آئی تو مولوی صاحب نے اس سے فرمایا کہ "تم پیسے مت لانا بیٹا"

تھوڑی دیر کے بعد محمود نے مولوی صاحب سے اجازت لیکر اپنے گھر آیا۔ اور

ان سے کہا۔

"اماں جان! میرے ابا کہاں ہیں؟"

"بہت دور کمانے کے لئے گئے ہیں!"

"کہاں گئے ہیں کہاں؟ ہم کو بتائیگا نہیں؟"

"تم کو ان سے کیا کام ہے؟"

"ہم کو ان سے بہت سا کام ہے.... ہم آپ کو نہیں بتادیں گے۔ محمود نے مچل کر کہا۔

"بتادے میرا لال!" حمیدہ نے بچے کو گود میں لیتے ہوئے بڑے دُلار سے پوچھا۔

"ہم آپ کو نہیں بتادیں گے.... ہم اپنے ابا سے کہیں گے"

"تم ہم کو بتادو... تب ہم تمہارے ابا کو خط لکھدیں گے کہ آپکے محمود کو آپ سے فلاں کام ہے!"

بات لگتی ہوئی، بچے نے سمجھا کہ اماں سچ مچ خط لکھدیں گی تو میرا کام ہو جائیگا فوراً بولا "ہم اپنے مولی صاحب کو کتاب کی شروع کرائی دیں گے.... آج مولی صاحب نے سب لڑکوں سے پیسہ لیا.... ہم سے کہن کہ تم پیسہ مت لاؤ گے...... اور سب کو کہن کہ اپنے ابا سے پیسے لوگے.... ہم کو ایسا کاہے کہن؟... ہم بھی اپنے ابا کے یہاں سے ان کو پیسہ منگاکے دیں گے...."

حمیدہ اگرچہ بات ٹالنے لگی مگر دل مسوس کر رہ گئی کہ اے اللہ! جس ڈر سے ڈر رہی تھی آج وہی سامنے آگیا۔ پھر فوراً اپنے کمرے میں بچے کو لے گئی اور ایک اکنی دیتے ہوئے کہا۔ "لو اپنے مولوی صاحب کو دیدو!"

"نہیں! ہم آپ سے نہیں لیں گے.... ہم اپنے ابا سے لیکر دیں گے"

بچے کی اس ضد پر حمیدہ کی عقل سے اور تو کچھ بن نہ پڑا، فوراً مولوی صاحب کو اپنے یہاں بلاکر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اور رونے لگی۔

بیچارے مولوی صاحب بھی دم بخود ہو گئے۔ بچے کو بہت پیار کیا، چمکارا، سینے سے لگایا، سمجھایا، مگر اس پر بھی وہ نہ مانا تو نہ مانا۔ اب یہ بھی دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگے کہ مجھے یہ کیا شامت آگئی کہ اس بچے سے یہ کہدیا۔ مگر اب تو تیر نکل چکا تھا۔

اتنے میں حمیدہ "ابھی آئی" کہتی ہوئی پھر کمرے میں گئی اور ایک پرانا پوسٹ کارڈ مولوی صاحب کے حوالے کرکے بولی۔

"اچھا جناب! یہ کارڈ ان کے ابا جان کو لکھ دیجئے!"

"ان کے ابا کو؟"

"جی ہاں!......"

"کیا لکھوں؟" مولوی صاحب نے بڑے تعجب سے پوچھا۔

"میں بتاتی ہوں" یہ کہکر حمیدہ نے اس طرح خط لکھایا۔

"محمود کے ابا کو بزرگوں کی دعا اور بچوں کا سلام پہونچے۔ ان کو معلوم ہو کہ آپ کے لڑکے نے آج ایک بڑی کتاب شروع کی ہے مگر اس کی ماں کے پاس روپیہ نہیں ہے کہ وہ ان سے لیکر اپنے مولوی صاحب کو کتاب کی شروع کرائی دے اس لئے آپ سے جہانتک جلد ہو سکے روپے بھیجدیں"

پھر پتہ یہ بتایا۔ "مقام و ڈاکخانہ جنت نگر ضلع اللہ گنج حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے محمود کے ابا کو ملے"۔

خط ختم ہوا اور حمیدہ نے اسے لیکر بچے کے حوالہ کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ! سڑک پر سرس کے درخت میں جو لال سا بکس لٹکا ہوا ہے اسی میں اس کو ڈال دو"

محمود خوش خوش سڑک پر گیا اور لیٹر بکس میں کارڈ ڈالنا چاہا۔ مگر اونچا اتنا تھا کہ ہزار کوششوں کے باوجود اس کا ہاتھ نہ پہونچ سکا۔ آخر تھک کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک شخص چلا آرہا ہے.... جیسے وہ اس کے نزدیک پہونچا اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"ہم اپنے ابا کو خط بھیج رہے ہیں.... سو دیکھتے نا میرا ہاتھ نہیں پہنچ رہا ہے.... کاہے کہ ہم چھوٹے سے ہیں!"

مسافر کو اس بھولے بھالے اور معصوم کی اس پیاری بولی پر خدا معلوم کیوں بڑا ترس آیا اور اس نے جھٹ اس سے کارڈ لے لیا، مگر پتہ پر اچٹتی ہوئی نگاہ پڑی تو متحیر ہوا اور پھر جب اس کے مضمون پڑھا تو اور بھی تحیر اور استعجاب کا مجسمہ بن کر پہلے کچھ سوچا پھر کہا۔

"اچھا تمہارا ہی نام محمود ہے؟"

"جی ہاں میرا نام محمود حسن ہے۔ اور ہم کو اماں خالی محمود کہتی ہیں۔ اور کبھی کبھی میرے لال...."

بچے نے بڑی بیتابی سے جواب دیا۔

"اچھا! ہم تمہارے ہی پاس جا رہے تھے۔ تمہارے ابا نے یہ دس روپیہ ہم

گویا تھا کہ بھائی میرے محمود کو بلا کر دیدو گے۔ شاید اب وہ دوسری کتاب شروع کرائیں۔
تب لیلو یہ... پیسے۔ اب ہم کاہے کو تمہارے گھر جائیں....." مسافر نے مسکرا کر
کہا اور روپیہ دیدیا۔

روپیہ لیتے ہی محمود خوشی سے اچھل پڑا اور "دیکھو میرے ابا نے ہم کو روپیہ بھیجا ہے" چلاتا ہوا بے تحاشا دوڑا اور گھر جاکر دم لیا۔

محلہ ٹولہ کے لوگوں اور ان بچوں کو جو محمود کے ساتھ دوڑتے ہوئے آرہے تھے بہت تعجب ہوا کہ آخر بات کیا ہے..... خود حمیدہ بھی اسی شش و پنج میں تھی کہ الٰہی ماجرا کیا ہے؟.... مگر جب محمود کے دم میں دم آیا اور اسکے سانس کا پھولنا موقوف ہوا تو اس نے سارا قصہ کہدیا۔ حمیدہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور اس نے جائے نماز بچھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ "اے اللہ جس نے میرے یتیم لال کی دل جوئی کی ہے تو اس کی دل جوئی دینا اور آخرت میں کرنا......"

پھر روپیہ بھنایا اور محمود سے کہا۔ "جاؤ اپنے مولوی صاحب کو جو دینا ہو دے دو"

محمود نے چار آنے پیسے لئے اور مولوی صاحب کو دیتے ہوئے کل کا واقعہ سنادیا۔

(۳)

رات کا وقت تھا سب لوگ میٹھی نیند کا مزہ لے رہے تھے، مگر ایک مکان کا مالک آنکھیں نیم وا کئے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کہ چاند اور ستارے دل والے آسمان پر سیاہ بادل بکھر گئے اور پھر اسکے آنگن کے سامنے والے حصے پر نور و ضیا کا دریا لہریں مارنے لگا۔ اور دم کے دم میں ایک نورانی شکل اس کے آنگن میں دکھائی دی..... یہ لپکا ہوا قدموں پر گرا اور عرض سلام کے بعد ذرہ نوازی کا سبب دریافت کرنا چاہ ہی رہا تھا کہ اس سراپائے نور نے فرمایا۔

"تم نے آج میری امت کے ایک یتیم کے ساتھ احسان کیا ہے اسی لئے میں تمہارے یہاں آیا ہوں......"

یہ سنتے ہی سائل بیدار ہوگیا اور اسنے اپنے خویش و اقارب کو بلا کر دن کا قصہ اور اندھیری رات نوری منظر بیان کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مناسب نہیں کہ لمعات جمال محمدی میرے گھر کو منور کریں اور دل محروم رہے...... اب میں مسلمان ہوتا ہوں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اس کا ایمان

لاتا تھا کہ گھر بھر ایمان لے آئے اور یہ مکان اور مکین لمعات جمال سے منور ہوگئے۔

حضرت محدث اعظم ہند

جذبات عقیدت

مچلتی اچھلتی لپکتی جھپکتی کھلاتی دلوں کی کلی آرہی ہے
مدینہ پہ قربان ہو کر صبا کیا مہکتی لہکتی چلی آرہی ہے

مجھے یاد آتا ہے باغ مدینہ تصور کی دنیا کا ہے یہ کرشمہ
میرے دل میں جنت چلی آرہی ہے مری آنکھ میں وہ گلی آرہی ہے

کھلایا بہاروں نے جب پھول بوٹا لپک کر خزاں نے انھیں خوب لوٹا
مگر میرے مولیٰ کی رحمت کی ڈالی ہمیشہ سے پھولی پھلی آرہی ہے

ترے عاشقوں کی چلی جب جماعت تو کہنے لگی دیکھ کر ان کو جنت
یہ امت نبی کی نہیں آرہی ہے ہماری مراد دلی آرہی ہے

مدینہ جو امت کی فریاد پہونچی تو جیسے وہ ارشاد فرما رہے ہیں
نہ گھبراؤ بگڑی بنی جا رہی ہے کہ تقدیر جلدی بھلی آرہی ہے

گھرانا ہے پیغمبر خدا کا گھرانا زمانے سے یہ دیکھتا ہے زمانہ
نظر بچہ بچہ میں پیدا ہی ہوتے وہی شان پاک علی آرہی ہے

نظر آیا کیا بارھویں کا مہینہ مچلتا ہے ہر اہلسنت کا سینہ
مگر یہ عقیدت کی دنیا کو دیکھو قیامت نما کھلبلی آرہی ہے

ترا دین کیا دیو کی بندگی ہے ترے دل میں کتنی بھری گندگی ہے
ترے منہ سے کیوں دیوبندی یہ بوئے عناد نبی دو دلی آرہی ہے

میں اشک ندامت پہ قربان جاؤں میں عرق خجالت پہ سید فدا ہوں
کہ اعمالنامہ کی ہر فرد جس سے گناہوں سے بالکل دھولی آرہی ہے

خط و کتابت

خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں

جواب کے لئے جوابی کارڈ یا لفافہ کا آنا ضروری ہے

منیجر

سلطان المشائخ

اللہ اللہ اس وقت کتنا پیارا نام زبان پر آگیا ہے۔ کتنی بلند و بالا سرکار میں اپنا گذر ہولیا ہے۔ کس درجہ اعظیم الشان دربار کی آستانہ بوسی نصیب ہوئی ہے میں اس بارگاہ ۔۔۔ کی جبیں سائی اور اس سلطان عظیم البرہان کی قدمبوسی کرتا ہوا آداز اہوں کہ اشرفی کے نئے سال کی ابتدا ایک برگزیدہ اور سرمایہ آخرت تذکرہ سے ہوتی ہے یعنی سبحانہ و تعالیٰ اسکو قبول فرمائے اور آلودہ شخصیت کے لئے اسکو توشہ آخرت بنائے دہو الغفور الرحیم (مدیر غفرلہ)

(۱)

محمد

ساتویں اور آٹھویں صدی تک کے ایام بھی کیسے مبارک دن تھے جبکہ ہر زمانہ مطلع ولایت سے ایک نہ ایک آفتاب نئی چمک دمک کے ساتھ طلوع ہوتا تھا اور دنیا کا گوشہ گوشہ روشن اور منور تھا۔ مجاہدین عرب و عجم میں اشاعت اسلام کیلئے قیام فرمایا اور عرب و عجم کے صحرا کلمہ توحید سے گونج اٹھے۔ انہیں دنوں میں بخارا تو بہت سے ابر رحمت اٹھ اٹھ کر ایک عالم کے کشت امید پر برستے تھے اور فارس و ہندکی سرزمین ان نفوس قدسیہ کے لئے میدان جہاد تھا۔ چنانچہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی ایک روشن برکت یہ تھی اکابر دین جوق جوق اپنے قدم پاک کی پامالی کا شرف اس سرزمین کو عطا فرمایا کرتے تھے۔ چھٹی صدی کی بات ہے کہ ملک بخارا سے ایک برگزیدہ گھرانا ہندوستان میں آیا۔ جنمیں خواجہ علی اور خواجہ عرب سردار خاندان تھے۔ یہ دونوں منزل گوار سرحد ہند کو طے فرما کر لاہور پہنچے۔ اور وہیں مقیم ہوگئے۔ لیکن مستقل قیام کے لئے لاہور کو منتخب نہ فرمایا بلکہ ایک عرصہ کے بعد وہاں سے نکل کر مدینۃ الاولیا بدایون شریف پہنچے اور یہاں کی زمین کو اقامت کے لئے پسند فرمالیا۔ یہ گھرانا سیدوں کا تھا۔ اور سادات ہمیشہ اس شہر کو قیام کیلئے پسند کرتے ہیں۔ جہاں کی مٹی سے بوئے محبت و دلایت آتی ہو۔ بدایون کی خاک ایسی نہیں ہے جس کو ہندوستان کی علمی دنیا نہ جانتی ہو مختصر سی آبادی کا حاشیہ اگر دیکھو تو شہدا کرام و اولیاء عظام کا اس زمین کو خزینہ پاؤ گے گنج شہداء کا قبہ ایک طویل و عریض صحرا

ہے۔ جہاں قدم قدم پر تادب یا قدم کی تعلیم ادب دیتا ہے۔ قبہ جات اور حظیرے اس درجہ کثیر ہیں جنکے شمار کیلئے انگلیوں کی گرہیں ناکافی ہیں۔ اس امر کا اندازہ اس سے کرنا چاہیئے کہ بدایون میں ایک ایک نام کے اولیاء کرام کی تعداد چھ سات کرہوتی ہے۔ چنانچہ مشہور مصرع ہے کہ **مصرعہ**

ہفت احمد در بدایون خفتہ اند

خواجہ علی کے ایک صاحبزادے تھے خواجہ احمد جن کا شمار ان سات نام کے بزرگوں میں ہے جو زمین بدایون پر آرام فرما ہیں۔ خواجہ احمد کی شادی خواجہ عرب کے صاحبزادی سے ہوئی تھی اور خواجہ احمد کی نسل سے خواجہ علی اور خواجہ عرب، دونوں بزرگوں کو اپنے نام و نشان کی امید تھی خدا کی شان کے شادی کے کچھ زمانہ کے بعد خواجہ احمد کے گھر میں ایک مبارک و مسعود فرزند پیدا ہوا اور خاندان کے بزرگوں نے تبرکا فرزند کا نام محمد رکھا۔

(۲)

نظام الدین

دنیا میں زندگی کا کیا اعتبار ہے ابھی فرزند کے اللہ آمین کے دن تھے کہ اچانک خواجہ احمد نے رحلت فرما کر اپنے نونہال کو یتیم کر دیا صرف بیوہ ماں کا سہارا تھا ورنہ ایک ایک کر کے نانا دادا سب رخصت ہوگئے۔ والدہ ماجدہ ایک بڑی بیوی تھیں۔ انہوں نے تعلیم و تربیت میں کوئی کمی نہ کی اور وہ وقت نہ آنے دیا کہ فرزند کو یتیمی کا داغ ستائے۔ بچپن ہی میں ایک اسلامی مکتب میں داخل کر دیا۔ جس میں آپنے کلام اللہ پڑھا اور دوسری کتابیں بھی شروع کیں۔ بارہ برس کی عمر میں لغت پڑھنے لگے تھے۔ جب والدہ ماجدہ کو سن شعور پر اطمینان ہوا تو آپ کو علم حاصل کرنے کیلئے دہلی جانے کی اجازت دی وہاں حضرت صدر العلماء شمس الملک کا درس نہایت مشہور و مقبول تھا۔ آپنے اُن سے مقامات حریری پڑھی اور چالیس مقامات کو زبانی یاد فرمالیا اور علم حدیث بھی پڑھا بقول شخصے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" آپ کی طالب علمی کا زمانہ آپ کے آنیوالے ایام کی خبر دیتے تھے اور آپ کی

تعلیم سے پتہ چلتا تھا کہ یہ ہونہار وجود عنقریب مطلع کمالات سے آفتاب علم وعمل ہو کر چمکے گا۔ طلبہ تو طلبہ اساتذہ کا یہ حال تھا کہ آپ کے ذہن وذکاوت اور علمی سعادت وعبادت کو دیکھکر آپ کا ادب کرتے تھے۔ اور کبھی آپ کا نام لیکر نہیں پکارتے تھے بلکہ آپ کو مدرسہ میں نظام الدین کہا جاتا تھا۔ اور چونکہ آپ کے چوٹی کے سوالات اور علمی تحقیقات کا لوہا چھوٹے بڑے مانے ہوئے تھے اسلئے آپ کو طالب علم ولی نظام الدین بحاث کہا کرتے تھے۔

(نمبر ۳)

درست العلم حتیٰ صرت قطباً

پڑھتے پڑھتے میں ہوا نظام الدین ولیا

خاندان کے خون کا اثر کہو یا ذاتی جوہر وکمال سمجھو بہر حال آپ کو کمین ہی سے فقر ودرویشی کے ساتھ غیر معمولی دلچسپی تھی اور پڑھنے کو تو آپ پڑھتے تھے مگر دل میں بار بار اس کا جذبہ اٹھتا تھا۔ کہ کوئی خدا رسیدہ قدم ملتا تو سر نیاز جھکا کر اس کی غلامی کا شرف حاصل کرتے۔ ابھی آپ دہلی نہیں پہونچے تھے اور بدایوں میں پڑھ رہے تھے۔ کہ ابو بکر نامی ایک قوال ملتان سے بدایوں آیا۔ اور آپ کے استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصہ بیان کیا کہ ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریا نے مجلس سماع میں کئی ہیں یہ مصرعہ گویا مصر لقد لسعت حیۃ ہوی کبدی دوسرا مصرع یاد نہیں آیا۔ شیخ نے یاد کرایا اسکے بعد شیخ بہاؤالدین کی کرامتیں کی اور کہا کہ ملتان میں ذکر وعبادت کا ایسا چرچا ہے یہاں چکی پیسنے والی لونڈیاں بھی ذکر کرتی ہیں۔ اسی طرح کی باتیں قوال مذکور نے بیان کیں آپ بھی اس کو سنتے جاتے تھے۔ مگر دل میں اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا اسکے بعد ابوبکر نے بیان کیا کہ ملتان سے میں اجودھن (پاک پٹن شریف کا نام) گیا وہاں ایک درویش کو بڑا کمال پایا اور حضرت خواجہ فرید الدین کی بزرگی بیان کی تھا جب آپنے اس کو سنا تو دلمیں عجیب وغریب ابھار پیدا ہوا اور محبت کا تخم آپکے دل میں مضبوط جم گیا یہ تخم ایسا نہ تھا جو دب کے رہ جائے اس میں سے پتیاں نکلیں شاخیں نکلیں پھول آئے اور آخر پھل کر رہا اب آپ کی یہ حالت تھی کہ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے حضرت خواجہ فریدہی کی یاد میں رہتے تھے جب آپ دہلی پہنچے تو پاکپٹن کا قرب اور زیادہ دلمیں چٹکیاں لینے لگا۔ اور آخر آپ سے نہ رہا گیا کتابیں لیں اور دیار شیخ کا سفر کر دیا۔ جب آپ پاکپٹن شریف پہونچے اور حضرت خواجہ کی مجلس میں پہلا قدم رکھا تو سب سے پہلی بات جو زبان شیخ سے آپنے سنی وہ یہ شعر تھا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

آپنے چاہا کہ اپنے دلی شوق اور ایام فراق کی بیتابی کو بیان کریں مگر ہیبت حق بھی کوئی چیز ہے، زبان سے ایک لفظ نہ نکلا اوسی روز آپنے خواجہ فریدؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور عرض کیا کہ میرے لئے کیا حکم ہے پڑھوں یا سب چھوڑ کر نوافل واوراد کو اختیار کروں۔ حضرت خواجہ فرید نے فرمایا کہ بھائی پڑھنے سے میں کسی کو منع نہیں کرتا پڑھو بھی اور عبادت بھی کرو پھر جو غالب آجائے وہ آجائے اور درویش کو تو علم کی ضرورت ہے چنانچہ آپنے خود حضرت شیخ سے قران کریم کے چھ پارہ کی تجوید سیکھی اور عوارف کے چھ باب پڑھے اور تمہید ابو شکور سلمی وغیرہ کتب پڑھیں اور پڑھتے پڑھتے اس درجہ کو پہنچ گئے کہ عالم قدس میں آپ کی ولائیت کا شہرہ ہو گیا۔ اور حضرت شیخ نے اپنی خلافت عطا فرما کر آپکے عظمت پر مہر فرما دی ذالک فضل اللہ۔

(۴)

توجہات شیخ

حضرت خواجہ فرید الدین کے مریدین وخلفا کی فہرست اچھی خاصی بے عیب و [illegible] مال تھا اور ہے مگر شیخ کی نظر انتخاب نے آپ کو سبھوں میں منتخب فرما لیا تھا اور علاوہ ان کمالات اور ذاتی جوہر کے جو فیض نے آپ ہی میں ودیعت فرمائی تھی۔ بڑی بات یہ ہے کہ آپ فرزند بتول ونوردیدہ رسول تھے۔ آپ کی بوئے سیادت سے مشام شیخ اس درجہ معطر تھا کہ نسبی کمی کی مجموعی حیثیت نے آپکے لئے قلب شیخ میں وسیع جگہ پیدا کر لی تھی بار بار آئیندہ کے لئے نصیحت فرمانا اور اکثر اوقات دعا کرتے رہنا۔ راحت دنیا کا خیال کرنا جو مانگا جائے اس کو عطا کر دینا اس مہربان باپ کا کام ہے۔ جو اپنے اکلوتے بیٹے کی بھلائی میں ہر طرح کوشاں ہو بعینہ حضرت خواجہ کا طرز عمل آپکے ساتھ رہا تھا چنانچہ ایک موقع پر آپ حضرت کے ہمراہ کشتی پر تھے۔ خواجہ فرید نے آپ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ دیکھو دہلی جانا تو بے کار رہ رہنا بیکاری بڑی چیز ہے نصف سلوک تو روزہ ہے اور نصف نماز وحج وغیرہ اعمال ہیں ایک موقع پر حضرت مولانا [illegible] فرمایا کہ [illegible] پاجاؤ۔ دوسرے موقع پر فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے کسی قدر دنیا بھی طلب کی ہے۔

(باقی آئندہ)

(س) منجانب انجمن اصلاح المسلمین
قبلہ محترم مشتاق احمد صاحب نظامی مد ظلہ العالی
السلام علیکم
کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یعنی احادیث مبارکہ پڑھ کے سنانے کے لئے اور ان کی اصلاح کے لئے مسجد کے جمع شدہ پیسوں سے جس طرح سے خطیب کے لئے خطبہ منگوایا جاتا ہے اسی طرح اگر مصلیوں کو احادیث کے مسئلے سنانے کے لئے صحیح بخاری و مسائل فقہ کی کتابیں منگوائی جائیں تو جائز ہے ناجائز؟ بینوا توجروا سخت انتظار

(ج) مسجد میں پیسہ دینے والے نے اگر مسجد ہی تعمیر یا مرمت یا متعلق مسجد کے لئے دیا ہے تو اس پیسے کو دوسرے مد میں صرف کرنا درست نہیں ہے اس لئے اس جمع شدہ رقم سے کتابوں کا خریدنا درست نہیں ہے۔

اور اگر پیسہ دینے والے نے مطلقاً کار خیر میں صرف کرنے کے لئے دیا ہے خواہ مسجد میں استعمال کیا جائے یا کسی اور کام میں تو چونکہ کتابیں خرید کر مصلیوں کو مسائل سنانا کار خیر ہے اس لئے مقصد مذکور کے لئے اس پیسہ سے کتابیں خریدنا درست ہے۔

(س) حلالہ کے لئے بالغ مرد سے نکاح ضروری ہے یا نابالغ سمجھدار سے بھی ہو جائے گا۔
(حاجی بشیر علی المعروف حاجی ںکولا۔ محلہ اوتر پٹی قصبہ مہداول ضلع بستی)

(ج) کتب دینیہ میں حلالہ کے لئے مراہق کا لفظ بھی آیا ہے۔ مراہق اس کو کہتے ہیں کہ ابھی بالغ تو نہ ہو مگر قریب ہی بالغ ہونے والا ہو۔ جیسا کہ شامی میں نہر سے منقول ہے کہ۔ المراهق هو الدانی من البلوغ۔

(س) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے جبکہ نابالغہ تھی اسوقت ہوا تھا۔ بالغہ ہونے کے بعد زید اپنے یہاں رخصتی کرا کر لایا اور خلوت صحیحہ ہوئی تو مقام وطی بالکل بند پایا اور وطی کرنا بالکل ناممکن تھا اور پستان وغیرہ بھی دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہے ایسی حالت میں اگر زید ہندہ کو طلاق دیدے۔ تو کیا دین مہر دینا اس پر واجب ہوگا؟ یا نہیں؟
خادم الحفاظ محمد خلیل الرحمٰن مدرسہ اہلسنت سراج العلوم ضلع گیا۔

(ج) صورت مسئولہ میں آدھا مہر دینا ہے۔
(در مختار)

(س) تمام نفل نمازوں کو بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہو کر ادا کرنے سے دونا ثواب ملتا ہے یا کسی کی خصوصیت ہے۔
(خادم حاجی بشیر علی المعروف حاجی بگولا محلہ اوتر پٹی۔ قصبہ مہداول ضلع بستی)

(ج) اس باب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ انکے نفل نماز کا بغیر عذر کے بیٹھنے کی حالت میں بھی کھڑے ہونے ہی کا ثواب ہے جیسا کہ شامی میں درج ہے کہ اما النبی صلی اللہ علیہ وسلم

من خصائصہ ان نا فلتہ قاعدًا مع اعلیٰ الحدیث نقلہ علی القیام کنا فلتہ قائمًا۔

کیونکہ عبداللہ بن عمر سے صحیح مسلم کی ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ انھوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور آپ نے تو ارشاد فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو نصف ثواب ملتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر میں تم سب سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔

(س) ایک سوال جو اس اشاعت میں شائع بھی ہوا ہے یعنی یہ کہ وہابی مولوی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جس کے جواب میں جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ چاہے وہ مولوی ہو یا نہ ہو اگر وہ حفظ الایمان براہین قاطعہ تحذیر الناس کا معتقد ہے تو نماز نہ ہوگی تو جناب سے گذارش ہے کہ حفظ الایمان و براہین قاطعہ تحذیر الناس کی وضاحت خوب اچھی طرح فرما دیں تاکہ میری سمجھ میں بھی آجائے اور سابق سائل بھی اس سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔

(شاہ محمد امین عطا فاروقی خانقاہ کریمیہ۔ سلون رائے بریلی)

(ج) حفظ الایمان کی وہ عبارت جس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوء ادبی ہے وہ یہ ہے "پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمر بلکہ صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

۲۔ براہین قاطعہ کی عبارت یہ ہے "غور کرنا چاہیئے کہ شیطان ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"

۳۔ تحذیر الناس کی وہ عبارت جس سے خاتم النبیین کے اجمالی قطعی معنی کا انکار ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں"

عبارات مذکورہ کی بنا پر ارباب شریعت نے تنقیص شان نبوی کی وجہ سے اس کے معتقدین کی تکفیر کی ہے۔ اسی لئے عبارات مذکورہ کے معتقدین کے پیچھے مسلمانوں کی نماز نہیں ہوتی۔

(س) بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ دار الحرب ہے اس لئے یہاں نماز پڑھنا حرام ہے اسی وجہ سے وہ پڑھتے بھی نہیں ہیں۔

(شاہ محمد امین عطا فاروقی خانقاہ کریمیہ سلون ضلع رائے بریلی)

(ج) دار الحرب میں نماز کے حرام ہونے کی کوئی جزئی میرے نگاہ سے نہیں گذری قائل سے ثبوت طلب کیا جائے کہ اس کے پاس کیا ثبوت ہے؟

(س) زید نے اپنی بیوی کو ایک رجسٹری خط بھیجا جس میں یہ لکھا کہ ہم نے اپنی بی بی کو تین طلاق دی، طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔ ایسی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ (محمد ظہیر الدین جمشید پوری)

(ج) صورت مسئولہ میں تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔

(س) ایک مسجد پر جماعت ختم ہونے کے بعد کچھ لوگ آئے تو پھر دوبارہ جماعت سے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ یا نہیں؟

(پیر محمد انصاری اشرفی احمد آباد گجرات)

(ج) اگر مسجد عام رہ گذر پہ ہے تو متعدد جماعتیں ہو سکتی ہیں اور اگر عام رہ گذر پہ نہیں ہے یعنی محلہ کے اندر ہے تو وہاں جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔

(س) دیوبندی عقیدہ والے کے یہاں شادی بیاہ کرنا چاہیئے کہ نہیں؟

(ج) اگر حفظ الایمان۔ تحذیر الناس وغیرہ کتابوں کی عبارت کفر کا قائل ہے تو دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی وجہ سے شادی بیاہ درست نہیں ہے۔

(س) زید نے غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ کو اپنی زبان سے تین طلاق یہ کہکر دے دیا کہ جاؤ تمکو طلاق دے دیا ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں۔ (عبدالاحد ضلع گیا)

(ج) طلاق ہو گئی۔

(س) اگر مذکورہ طلاق کو کسی گواہ نے نہ سنا تب بھی طلاق ہو جائیگی؟

(ج) اگر کسی گواہ نے نہیں سنا تو اگرچہ قاضی کے نزدیک اس طلاق کا ثبوت نہ ہوگا مگر دیانۃً طلاق ہو جائیگی۔

(ساتواں) تجویز نہایت معقول ہے اور لائقِ تحسین ہے۔ ضعیف و ناتوان کاہن گویا ہوا کہ صرف اب دو مہینے باقی ہیں۔

(آٹھواں) صرف دو مہینے۔

(کاہن) زائچہ نجوم سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

(نواں) واقعی کیا آپ سچ فرما رہے ہیں۔

(کاہن) یقین جانئے آپ لوگ کہ میں بالکل درست کہہ رہا ہوں۔

(دسواں) تولد ہونیکے متعلق

(کاہن) نہیں نہیں۔

(دسواں) پھر کیا مطلب۔

(کاہن) صُلب پدر سے تُرب مادر میں آنے کے متعلق کہہ رہا ہوں۔

(گیارہواں) اوہ بہت دور کی بات ہے۔

(بارہواں) ابھی ایک عرصہ باقی ہے۔

(تیرہواں) پیدا ہوگا۔

(چودہواں) پھر بڑھے گا۔

(پندرہواں) اس کے بعد بلوغ کو پہونچے گا۔

(سولہواں) جب کہیں جاکر مذہب و بتوں کے خلاف زبان کھولے گا۔

(کاہن) معلوم ہے اگر بچّہ پیدا ہوگیا۔

(بارہواں) تو پھر کیا ہوگا۔

(کاہن) حکومت اور قوم کی پوری طاقت اس بچّہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔

(ساتواں) پھر کیا کرنا چاہیئے۔

(کاہن) جو تدبیر مدافعت کی کرنی ہے فوراً ابھی سے کیجائے۔

(نمرود) کیا پیدائش کا وقت اور تاریخ بتا سکتے ہو۔

(کاہن) جی ہاں عالیجاہ فلاں شب اور فلاں تاریخ۔

(نمرود) تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے میں ابھی سے اسکا انتظام کرتا ہوں اور وہ انتظام خاص یہ ہوگا کہ کوئی اپنی عورت کے پاس نہ جاسکے گا۔

(تیسرا) بہت معقول اور مناسب سرکار کی تجویز ہے۔

(چھٹا) دست بستہ۔ عالیجاہ درست فرمایا۔

(چوتھا) زمین بوس ہوتے ہوئے) بالکل ٹھیک فرمایا۔

حاضرین جلسہ نعرہائے تحسین بلند کرتے ہوئے نمرود کے آگے سجدہ ریز ہوگئے اور جلسہ برخواست ہوا۔

دوسرا روز ہے بابل کے نوجوانوں اور بالغوں کی فہرست ترتیب وار مرتب کیجا چکی ہے اور نمرود کے سامنے بصد ادب پیش ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمایا اور حکم نافذ ہوا کہ پچاس فوجیوں کا ایک ایک دستہ اور ہر دستہ ایک ایک لائق و تجربہ کار افسر کی قیادت میں!

یہ فوج بابل کے تمام حلقوں میں تقسیم ہوا اور حکم کیا جاوے کہ تاریخ مقرّرہ کے تیسرے پہر تک فہرست کیمطابق تمام مردوں کو شہر سے دُور صحرا میں منتقل کردیا جائے اور عورتوں کو گھروں کی چہار دیواری میں بند کردیا جائے اور ضروریات خورد و نوش تاریخ مقرّرہ تک کیلئے مہیّا کردیجائیں۔

مقرّرہ دن آن پہونچا قوت مردی و رجولیت کی اہلیت کا ایک ایک شخص شہر سے خارج کیا گیا اور عورتیں گھروں میں بند دروازے مقفّل ان پر نہایت قابل و معتمد افسروں کا سنگین پہرہ اور سخت پہرہ فصیل شہر کے پھاٹکوں پر متعدد افسروں کا تعیّن گلی گلی اور کوچہ کوچے میں پہرہ۔ بازار اور بازار کے چپہ چپہ پر پہرہ اور نہایت سخت پہرہ کافی احتیاط اور ہوشیاری و ہوشمندی کا پہرہ۔

نصف شب گذر چکی رات کی تاروں بھری محفل میں ایک پرسکون قہقہہ گونجا قدرت حق نے نمرود ناحق سلطنت کو شکست دیدی کیسی شکست... شکست فاش۔ — وہ دیکھو! — ایک خاص الخاص پہرہ دار فوج کا عالی نگراں کار — وہ — نمرود مردود کا منہ چڑھا چھپن سالہ پیر مرد اور شاہی بتخانہ کا معتمد داروغہ آذر! ایک خاص حلقہ کی کھڑکی انگڑائی کر رہا ہے اور نہیں معلوم یکایک کیا سوچنے لگتا ہے اور کیا سوچ رہا ہے۔ اسکے چہرے پر شبابی کیفیات اور چہرے کا آثار چڑھاؤ بتا رہا ہے کہ کچھ تخیل اور خاص تخیل صرف آج کی رات کا تخیل اور مردوں کو انکی خوابگاہ عشرت سے علیحدگی کا تخیل اسکے ضعیف قلب میں جوانی کی نشاط انگیز امنگیں پیدا کر رہا ہے۔ شباب گذشتہ کی عدو سرگرمیاں ایک ایک کرکے اس کے سامنے آ رہی ہیں اور خاکستر میں دبی ہوئی اور سلگتی ہوئی چنگاریوں میں پھونکیں مار رہی ہیں اتنے میں اسکی اہلیہ ضعیفہ کسی خاص ضرورت کی وجہ سے اسکے پاس آتی ہے آنکھیں چار اور دل میں پیار پیدا ہوتا ہے آذر کی گرمائی ہوئی نگاہوں نے ضعیفہ کے ٹھنڈے پڑے ہوئے دل کو گرمایا اور خوب گرمایا کہ دونوں بیقرار ہو گئے اور دونوں جانب سے خواہشات ہجوم کر آئیں اور دونوں نے آپس میں ملکر نمرودی سلطنت کا تختہ الٹ دیا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمرِہٖ قَد جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیٍٔ قَدرًا ؕ

غزل

(حضرت رازؔ الہ آبادی)

کیا کرے گا کوئی ہو کے دشمن
میرے ہاتھوں میں ہے ان کا دامن

انکی زلفیں گھٹاؤں کا دامن
میری آنکھوں سے شرمندہ ساون

راہ میں تیری آنکھیں بچھائے
گن رہا ہوں میں ایک ایک دھڑکن

چاند بھی اس طرح آج نکلا
جیسے بیوہ کے ہاتھوں کی کنگن

کس طرح کوئی منزل پہ پہونچے
بھیس میں رہبروں کے ہیں رہزن

لوگ چلتے ہیں کانٹوں سے بچ کر
میں گلوں سے بچاتا ہوں دامن

حسن پردہ میں کب چھپ سکا ہے
وہ ہیں چلمن میں روشن ہے چلمن

حسن یوں ہے پریشاں پریشاں
لوٹ لے جیسے رہزن کو رہزن

میری دیوانگی کوئی دیکھے
میں گریباں کو سمجھا ہوں دامن

میری بالیں پہ کیوں رو دیئے تم
ڈال دی اور الجھن میں الجھن

رازؔ الفت میں جتنا چھپے تم
اور بھی ہو گئے سب پہ روشن

ناظرین کرام کو میرے اس طویل مضمون سے بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں کس ہستی اعظم کا ذکر مبارک قلمبند کر رہا ہوں یہ وہی ہستی اعظم ہے جس نے نمرودی سلطنت کو زیر زبر کیا یعنی حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام۔

حالت حمل میں جب آپ تھے تو دائیوں کو حمل اقدس کا احتمال تک نہ ہوا نہ جننے کے بعد کہیں پتہ چل سکا۔ ولادت شریف کے بعد والدہ محترمہ نے پہاڑ کی کھوہ میں لیجا کر چھوڑ دیا۔ انگلیوں سے شیر و شہد جاری ہو گیا تھا زیادہ تر غذائے مبارک یہی تھی۔ والدہ معظمہ بھی کبھی کبھی موقع ملنے پر خبر لے لیا کرتی تھیں اس طرح سے آپ پرورش پاتے رہے جب آپ باتیں کرنے لگے تو والدہ سے دریافت فرمایا کہ میرا رب کون ہے جواب دیا ئیں پھر فرمایا آپکا رب بولیں تیرا باپ آذر پھر فرمایا ان کا رب بولیں نمرود پھر فرمایا اسکا رب کون ہے۔ بولیں کہ خاموش رہ نور عین اسکا رب کون ہو سکتا ہے وہ تو بڑا رب ہے (نعوذ باللہ) پھر آپ اپنے ہمراہ گھر لے گئیں آذر نے آکر دیکھا کہ نہایت حسین و جمیل لڑکا پیاری پیاری باتیں اپنی ماں سے کر رہا ہے۔ دریافت کیا یہ کسکا لڑکا ہے کہا کہ آپ ہی کا ہے اور سارا ماجرا سنایا آذر نے کہا یہ تو بڑا غضب ہے اگر اہالیانِ سلطنت کو معلوم ہو گیا ماں نے کہا کہ دینا کہ ہم نے کسی قریہ سے لاکر متبنیٰ بنایا ہے آذر نے کہا خیر اب تو کوئی صورت نکالنا ہی پڑیگی۔ ایک دن آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے پاس بٹھائے پیار و محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ آپ نے دریافت فرمایا اے پدر مہربان میرا رب کون ہے آذر نے کہا کہ میں فرمایا اور آپ کا رب کون ہے کہا نمرود۔ فرمایا اور نمرود کا رب کون ہے۔ کہا چپ اے فرزند

(باقی آئندہ)

از: رفیق ادارہ جناب سید صوفی ابوالفرح صاحب رحمتی

ایجادات اور انکشافات کے ضمن میں، کارگاہِ عالم پر جب کبھی ہم طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو مشاہدے میں یہی آتا ہے کہ جب کبھی کسی چیز کی ضرورت کا سوال ذہن انسانی نے اٹھایا ہے تو اول اول قوت احساس میں حرکت ہوئی ہے اور جب اس حرکت کی رہنمائی فہم و ادراک نے کی اور اس کا خاکہ تیار کیا تو تخیل انسانی نے اسکی ترتیب اور تدوین کے ذرائع پر غور کیا، پھر جب اس غور و فکر نے پوری طور سے ساتھ دیا اور تمام ذرائع بہ دقت یا بہ آسانی ہم آغوش ہوتے نظر آئے تو اس خیالی تصویر نے عملی جامہ پہنا ہے۔ اور یہ اصول صرف آج کا نہیں، ہزاروں صدیوں پہلے یعنی روز ازل کا ہے اور اسی طرح رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

اور صوفیائے کرام رحمۃ کے یہاں اسی قوت احساس سے پہلے کی حالت کو (جسے عالم بے کیف کہتے ہیں) مقام لاہوت کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد کی حالت مقام ملکوت اور پھر مقام جبروت اور سب سے آخری حالت کا نام مقام ناسوت ہے۔

آپ میں سے اکثر نے دلی دربار ۱۹۱۲ء کا حال سنا ہوگا، کتابوں میں پڑھا ہوگا اور اپنی آنکھوں دیکھا بھی ہوگا کہ جب دربار کے انعقاد کا خیال ہوا تو سب سے پہلے تمام اراکین و اعیان سلطنت کی اس امر پر مجلس شوریٰ طلب کی گئی جب اس مجلس میں یہ امر باتفاق آراء منظور ہو گیا تو سلطنت کے طول و عرض میں اس کے متعلق استصواب رائے کیلئے مراسلات کے دفتر کھلے اور جب تمام گورنروں اور وائسرائے نے اس اقدام پر دلی مسرت کا اظہار کیا تو تعین مقام اور ہیئت کا مسئلہ زیر بحث آیا اور پھر جب یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تو اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے سارے انتظامات مکمل کر لئے گئے۔۔۔

بالآخر وہ دن بھی آیا یہ مسلک اور ملکہ نے ہندوستان کی راج دھانی ہر سو برس پر اپنی تاریخ بدلنے والی اور بیدردیوں کو بھی اپنی گود میں شفقت و محبت سے رکھنے والی "دلی" میں "قدم رنجہ" فرما کر اپنی رعایا کو اپنے انعام و اکرام کا مستحق قرار دے کر عشرت و مسرت کا پیغام سنایا۔

اور اسی طرح آفرینش عالم سے (ہم انسانوں کے حساب کے مطابق) ہزاروں ہزار سال پہلے جب حضرت باری عز اسمہ نے تخلیق عالم کے متعلق "انی جاعل فی الارض خلیفہ" سے ملائکہ کو مخاطب فرمایا تو انہوں نے نحن نسبح بحمدک و نقدس لک سے کثرت ادائیگی تقدیس و تحمید کو بیان کرتے ہوئے خود کو حقدار خلافت ٹھہرایا۔ مگر چونکہ مقصود ذات صمدیت یہ تھا کہ مقام لاہوت، ملکوت اور جبروت سے ہم آغوش ہو کر منصۂ شہود پر انوار لایزالی کی ضیا پاشیاں کرے اس لئے ادعائے تحمید و تقدیس کو عبودیت کا منتہا نہ ٹھہرایا اور جو ارادہ کیا تھا اس کے تمام اجزائے ترکیبی (عناصر اربعہ) آن واحد میں یکجا کر کے عرش و فرش کے سب سے پہلے آدمی حضرت آدم ؑ کی تخلیق کی۔ ــــ مگر جب "روح" کو جو آزادانہ محو گلگشت رہا کرتی تھی اس قالب آدم میں محبوس ہونا پڑا تو بڑی گھبرائی۔ لیکن جمال جہاں تاب کی کرنوں پر جو کارخانہ قدرت میں اس انقلاب عظیم کے برپا ہونے سے قبل ہی جلوہ گر تھی نظر پڑتے ہی مسرت و بہجت کے نشہ سے سرشار ہو کر مطمئن ہو گئی۔

لیکن ابھی ابھی قدرت کا منتہائے مقصود منصۂ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوا تھا اس لئے اولاد آدم ؑ تمام روئے زمین پر بسنے اور بستے گئے اور انہیں میں سے انبیائے کرام ؑ بھی ہوتے گئے اور آخر کار وہ مبارک دن بھی آ گیا کہ باعث تخلیق دو جہاں نبی آخر الزماں حضور انور رحمۃ للعالمین

شفیع المذنبین، مقصود رب العلمین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظلمت کدہ پر نور و ضیا کی چادر بچھا دی اور اپنے دامن رافت و رحمت میں سبھوں کو سمیٹ لیا۔

نبوت حضرت خاتم النبیینؐ پر ایں لطف و عنایت پایہ تکمیل کو پہونچی کہ خود خالق عالم نے اسکی تصدیق فرمائی اور یہ اعلان فرمایا کہ اب کسی دوسرے دین کی حاجت باقی نہ رہی اور الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (آج میں نے آپ کے دین کی تکمیل کر دی اور اپنی تمام نعمت آپ پر تمام کر دی)۔

ادھر تکمیل نبوت ہوئی اور ادھر آغاز ولایت ہوا۔ مگر ولایت آقائے کائنات حضرت مولا علی مشکل کشاؓ پہ ختم ہوئی۔ اسی لئے صوفیائے کرامؒ کے تمام سلسلے مثلاً قادریہ، نقشبندیہ، ابو العلائیہ، نظامیہ، چشتیہ اور فخریہ کی انتہا آپ ہی پر ہے۔

ایک بزرگ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ولی کامل کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں آپ نے تربوز کے آدھے چھلکے کو جو ٹوپی کی شکل میں تھا، پڑا دیکھا۔ فوراً اسے اپنے سر پر رکھ لیا ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ غیب سے آواز آئی "اے یار! اپنی ٹوپی بیچو گے؟" آپ نے سنی ان سنی کر دی اور آگے بڑھے۔ پھر وہی آواز سنائی دی۔ جب تیسری بار بھی آپ نے یہی سنا تو فرمایا "میرے یار! اب تیرے پاس ہے ہی کیا جو میری ٹوپی خرید ے گا؟ تین چیز تھی اور تینوں ختم ہو گئی۔ نبوت حضرت رسالت پناہؐ پر ختم ہو گئی۔ ولایت حضرت مولائے مشکل کشاؓ پر اور شہادت سید الشہدا امام حسینؓ پر۔ تو پھر اب باقی ہی کیا بچا؟" آواز آئی "زیادہ بولو گے تو جو رہا ہے چھین لیں گے۔" آپ نے فرمایا "تو میں بھی تیری رحمت کو اتنا عام کر دوں گا کہ ..." جواب آیا "اچھا بھائی! نہ میں چھینوں اور نہ تم عام کرو۔"

صوفیائے کرام کے تمام سلسلوں کی وضاحت کے لئے نہ پاسبان کے صفحات اجازت دیتے ہیں اور نہ آپ کے قیمتی اوقات! اس لئے اسے یہیں پر چھوڑتا ہوں بس یوں خیال فرمایئے کہ جس طرح گائیں مختلف النوع اور مختلف اللون تو ہوتی ہیں مگر ان کے دودھ کا رنگ سفید ہی ہوتا ہے اسی طرح متعدد اور مختلف خانوادہ ہائے تصوف کے وجود سے نفس مقصود میں کوئی مغائرت نہیں۔ مگر

بقدر پیمانہ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا

کے تحت بعض مسائل پیچیدہ ہو کر رہ گئے ہیں اور انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "ہمہ از دست" یا "ہمہ اوست"۔

حضرت سلطان المحققین مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز اپنی تصنیف "مکتوبات صدی"[۱] کے پہلے مکتوب[۲] میں جو "توحید کے بیان" پر مشتمل ہے فرماتے ہیں:—

"موحد مومن باتباع پیر طریقت مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہے۔ رفتہ رفتہ یہ ترقی اس نے کی ہے کہ نور بصیرت دل میں پیدا ہو گیا ہے۔ اس نور سے اس کو اس کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ سارا عالم گویا ایک کٹھ پتلی کی طرح ہے کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اب موحد کسی فعل کی نسبت دوسری طرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعل حقیقی کے سوا دوسرے کا فعل نہیں ہے

دریں نوع ہم شرک پوشیدہ است
کہ زیدم بیازرد و عمرم بخست

یہ توحید عارفانہ ہے۔ یہ مقام ہمہ از دست ہے"[۳]

[۱] حضرت مخدومؒ کے فارسی مکتوبات کا مجموعہ۔ [۲] حضرت زین بدر عربی قدس سرہ (خادم خاص حضرت مخدومؒ) اسی کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ حضرت مخدومؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ جب انہیں حضوری کا شرف نہ مل سکا تو کئے عرضیاں اس باب میں پیش کیں کہ اگر علم سلوک میں بقدر فہم اس ناچیز کے کوئی کتاب لکھکر بھیجدی جائے تو ذریعہ حضور علم الٰہی و فوائد قوابی ہو۔ چنانچہ یہ التماس بہ دفور شفقت قبول کی گئی۔ ۷۴۷ھ میں وقتاً فوقتاً خطہ بہار پر بہار سے قاضی صاحب کے پاس یہ مکاتیب روانہ فرمائے گئے (ملاحظہ ہو مکتوبات صدی کا با محاورہ اردو ترجمہ حصہ اول مترجمہ سید شاہ نجم الدین احمد صاحب فردوسی خانقاہ بہار شریف مطبوعہ مطبع اتحاد بانکی پور پٹنہ ۱۳۴۴ھ) [۳] مکتوبات صفحہ ۳

(ابو الفرح رحیقی)

"کثرتِ اذکار و اشغال و ریاضت مجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے یہاں تک سالک ترقی کرتا ہے کہ بعض بعض وقت شش جہت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تجلیات صفاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اسکی نظر میں گم ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ذرّے آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی میں نظر نہیں آتے۔ دھوپ میں جو ذرّہ دکھائی نہیں دیتا اس کا سبب یہ نہیں کہ ذرہ نیست ہو جاتا یا ذرّہ آفتاب ہو جاتا ہے۔ بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوگی ذرّوں کو چھپ جانیکے سوا چارہ ہی کیا ہے جس وقت روشندان نابدان وغیرہ سے دھوپ کوٹھری یا سائبان وغیرہ میں آتی ہے اس وقت ذرّوں کا تماشہ دیکھو صاف نظر آتے ہیں پھر آنگن میں نکل کر دیکھو غائب ہو جاتے ہیں اسی طرح بندہ خدا نہیں ہوتا تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً اور نہ یہ ہوتا کہ بندہ درحقیقت نیست ہو جاتا ہے۔ نابود ہونا اور چیز ہے۔ نہیں دیکھا جانا اور شے ہے۔

یہی توحید اور نہ کہنہ نہ نوست ؛ ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست
کے بود ما ز ما جدا ماندہ ؛ من و تو رفتہ و خدا ماندہ

یا یوں سمجھو کہ عالم ایک آئینہ ہے۔ اس آئینے میں سالک کو بعض بعض وقت خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ خدا کے مشاہدے میں سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینۂ حیرت ہے اسکو نظر نہیں آتا۔ اس سے اور آسان مثال سنو۔ تم خود آئینہ دیکھو اور اپنے جمال پر محو ہو جاؤ۔ پھر دیکھو تو سہی آئینہ تمہاری نظر سے حائل ہوتا ہے یا نہیں یا فرد ساقط ہو گا۔ ایسے موقع میں کیا تم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہو گا کہ آئینہ نیست ہو گیا یا آئینہ جمال ہو گیا یا جمال آئینہ ہو گیا۔ ہرگز نہیں! نیست ہونا اور ہے نہیں دکھائی دینا اور ہے۔ جسکی نظر میں آفتاب انوارِ حق اس شان سے ظہور کرے گا اسکی نظر میں ساری ہستیاں گم نہ ہونگی تو کیا ہونگی۔ قدرت کا مقدورات میں دیکھنا بلا فرق اسی طرح پر ہوتا ہے صوفیوں کے یہاں اس مقام کا نام الفنا فی التوحید ہے۔

گوید آنکس دریں مقام فضول ؛ کہ تجلی نداند از حلول

اس مقام میں اگر شطحیات سالک سرزد ہونگے تو اس کی خامی سمجھی جائیگی اس میں شک نہیں کہ خدا کی تجلی ہوتی ہے اور خدا اپنا جلوہ دکھاتا ہے مگر انسان میں حلول نہیں کرتا۔ اس مقام میں پہونچکر سیکڑوں سالک پھسل کر گر چکے ہیں۔ اس خوفناک جنگل سے نکل جانا بغیر تائید غیبی و عنایت ازلی ناممکن ہے اور پیر کی ہدایت بھی ضروری ہے رسیدہ ہو صاحب بصیرت ہو نشیب و فراز سے واقف ہو شربتِ قہر و جلال لطف و جمال کا چکھ چکا ہو تاکہ اس ورطہ ہلاکت سے مرید کو نکال سکے۔[۱]

انہیں انوارِ حق کی لمعات ریزیوں نے حضرت منصورؒ سے انا الحق کہلایا اور نتیجہ میں دار و رسن پایا۔ حضرت منصورؒ کے متعلق ہندی تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ (سوہم[۲] स: अहम सि हा॰) سد حیات[۳] کے پیرو تھے۔ ڈاکٹر عظیم[۴] مرحوم فرماتے ہیں

حقیقت کے کرشموں سے جو دل مجبور ہوتا ہے
تو پھر کہہ کر انا الحق دار پر منصور ہوتا ہے

اور حضرت مخدومؒ نے بھی اسی کی طرف ان الفاظ "شربتِ قہر و جلال..." میں اشارہ فرمایا ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ؛ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے دوست ڈاکٹر ابو الحسن رضا کے یہاں مجلس سماع منعقد ہوئی اور اس میں قوال نے جیسے ہی

نماز زاہداں محراب و منبر
نماز عاشقاں بر دار دیدم

پڑھا حضرت حافظ محمد محسن صاحب صوفی رحمتی پر عالم کیف طاری ہو گیا اور آپ نے فرمایا۔ خوب کہا! (پھر میری طرف مخاطب ہو کر) بیٹا! دیکھو! یہ اصل میں اسکی تفسیر ہے من طلبنی وجدنی من عشقنی و من عشقتہ فقتلتہ۔ مختصر الفاظ میں یوں خیال فرمایئے کہ خداوند جل و علا کو خالقِ حقیقت اور فاعلِ حقیقی ماننا اہلِ سلوک کے یہاں توحید کا ادنیٰ درجہ ہے جسکو ہمہ از وست کہا جاتا ہے اور ماسوا اللہ پر نظر نہ ڈالنا اور ھو الموجود فی کل الوجود[۵] کے تحت ذرہ ذرہ کو اسی کے انوار ضیا بار سے منور تسلیم کرنا کمال توحید ہے ۔۔۔ اور اسی کو "ہمہ اوست" کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اولیا اللہ کے قلوب پر تجلیات صفاتی کا اس طرح ظہور ہوتا ہے تو محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا ہو گا؟ یقینی یہی جواب ہو گا کہ بدرجہ اتم ہو گا کیونکہ

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ ؛ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر[۶]

---

[۱] الفاس ۔ ص ۲ [۲] سوہم وہ x اہم ج آف مبتنی میں (وہ میں ہوں) [۳] اصول۔ [۴] ڈاکٹر سید شاہ عظیم الدین احمد عظیم (پی۔ ایچ۔ ڈی) عظیم آبادی مرحوم، صدر شعبہ علوم مشرقی پٹنہ یونیورسٹی۔ [۵] ہندی تصوف اسی کو یوں کہتا ہے "ہمب میں ہمب۔ میں کرڈگ۔ کھمب میں سب میں بیاپے رام ۔۔۔۔ (ا۔ ف)

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے
دُر دانۂ دُرجِ مصطفےٰ ہے

آہ مسلمانو! تمہاری ذلت و پستی کی اور کبھی کوئی حد ہوگی۔ کہ آخر تمام دنیاوی علوم و فنون کی تحصیل سے قدردان بننے کے بعد اگر تم سے حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پوچھی جاوے تو شاذ ہی تم میں سے ایسا کوئی نکلے گا جس کو ٹھیرے ایک حدیث بھی یاد ہو۔ اور جب تمہارے دینی معلومات کا یہ عالم ہے تو اسکے بعد کسی کمال کی توقع کرنا خود اپنے کو دھوکہ [illegible] بتانے کی ضرورت ہے کہ تمہارے رشتۂ عبدیت کی استواری محض اتباع [illegible] کا نام ہے۔ ورنہ پھر [illegible] ٹھکانا [illegible]۔ ہمارے [illegible] کا ٹھکانا دارین [illegible] ذریعہ ہے تو یہی حضور [illegible] بشارت ہے کہ جو [illegible] چالیس حدیث پر وجد کریں [illegible] اس [illegible] لئے ہم نے یہ اہتمام کیا ہے کہ مستقل عنوان الحدیث کے تحت میں جواہر ریزوں سے نادار مسلمانوں کا دامن مراد بھر دیں۔

قال النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

(ترجمہ)

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ زمین پر رحم کرو کہ آسمان والا تم پر رحم فرمائے۔

اس حدیث شریف کو علماء حدیث مصافحہ کہتے ہیں۔ اور جب استاد اپنے شاگرد سے اس حدیث کو بیان کرتا ہے کہ اس وقت شاگرد سے مصافحہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے میرے استاد نے مصافحہ کرتے ہوئے یہ حدیث سنائی تھی اور وہ اپنے استاد سے یہی نقل کرتے تھے الی النبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دنیا حدیث کی کوئی درسگاہ اس حدیث کی تبلیغ سے خالی نہیں ہے۔ اور اسی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ صحت کی اعلیٰ حد اور شہرت کے انتہائی مرتبہ کو یہ حدیث پہونچ چکی ہے اور تیرہ سو برس سے کسی محدث کا کلام۔ اس حدیث کے الفاظ سے خالی نہیں رہا اور بامعنے تو متواتر ہے۔

جدت پسند طبیعتیں تو یہی کہیں گی کہ اس میں کیا خصوصیت ہے حضور کی تمام حدیثیں واجب التعظیم اور واجب العمل ہیں۔ اور دلیل یہ خلش ہوگی کہ لیجئے دو ایک ادبی رسالے جو ٹھکانے سے نکلتے اور دلچسپی رکھتے تھے اُن پر بھی ان ملاؤں کا قبضہ ہے اور [illegible] لوگ جو کبھی کبھی دل بہلانے کے واسطے ان رسائل کی خریداری کرتے تھے۔ اب وہ بھی گئے روز سنتے سنتے کان بھر گئے مگر قال اللہ و قال الرسول کا سلسلہ ختم ہونے نہیں آتا اور جہاں دیکھئے یہی [illegible] مضمون دھرا ہوا ہے سبحان اللہ کیا قدر [illegible] اور کیوں نہ ہو۔ اس آزادی کے دور میں جو فرمایئے بجا ہے اگر ایسے ہی قوت فیصلہ رہی تو پہلے قصہ ختم ہوا۔

آج اگر احکام خدا و رسول کی ہمارے دلوں میں اتنی بھی عظمت ہوتی جتنی فلاسفران یورپ کو ہے جو دن رات ان مسائل کی چھان بین میں مصروف رہتے ہیں اور ہر مسئلہ کو ہر فلسفہ اور سائنس کے معیار پر پرکھتے اور ان پاک تعلیمات کو ہر شکوک و ابہام بشریت سے بالاتر پاکر سر نیازمندی خم کرتے ہیں۔ تو ہمارے بھی بھلے دن آتے اور ہم کو بھی اس صنف اعلیٰ میں جگہ ملتی جو تمام دنیا میں ممتاز سمجھی گئی ہے۔ مگر ہم نے تو معراج کمال اسی کو سمجھ لیا ہے کہ [illegible] مخلوقات میں جامہ انسانیت ملا ہے اور سپر فیشن کی پالش بھی ہوگئی ہے وضع و قطع کے موجد ہیں دور موجود کے

مرحل سے گذر کر مفتخوان بنتے ہیں۔ مذہب آگہارے۔ واسطے یہ ایسا لمحہ ہے کہ مسلمان ایسے پیدا ہوئے کہ نام نہی مسلمانوں جیسے ہے گوشت نہی کھا لیتے ہیں۔ فریب کی عمر ہے۔ مغربی کا کلین انہیں فیشن کی یاد تازہ کر رہی ہیں۔ اس پہ شیر و داڑھی کا دم چھلا بھی لگا ہے نماز عیدین قضا نہیں ہوتی یوں بھی کبھی کبھی اسلامی جلسے میں پھنس گئے تو بے ضرورت دو نمونہ ذہن ہو گئے اور ادھر ادھر تاک جھانک کے مقتدیوں کی تقلید کر لی۔ لیکچر دیتے، اچھے اب پاکیزہ خیالات کا اظہار کیں۔ ریزولیوشن پاس کئے۔ درد قومی کا اظہار کیا لیڈر بنے، ریفارمر بنے قوم پرست بنے۔ یہی مذہب پرستی، ہر کسے رہبر کا رسے ساختند الا۔ یابس کا حصہ ہے کہتے ہیں والسلا ہند و دنیا میں خوب تقسیم ہے۔

روایات و تعلیمات مذہبیات غرض برہمن بالاردے سیاست تلوار کے دھنی۔ چھتری، اہل تجارت وصنعت ویش، غلامی وخدمات کا بار شودروں کے کندھوں پر، یہاں صرف اصطلاحی مولوی بننا کافی ہے۔ مذہب تو اتحاد کا دشمن جھگڑے کا گھر، کون ان قصوں کو لیکر بیٹھے مگر اس فیصلے سے کام چلتا نظر نہیں آتا۔ یہ خیالات ہم کو قعر ذلت میں تو لے ہی گئے ہیں اب نکلنے کا راستہ بھی مسدود اور ابھرنے کی امید ساقط ہے۔ (باقی آئندہ)

پاسباں نواز بھائیوں سے مودبانہ گذارش

بسا اوقات ڈاک کی بدنظمی سے ہمارے بعض بھائیوں کو پاسباں دستیاب نہیں ہوتا۔ جس کی پاداش میں شکایتی خطوط دفتر میں موصول ہوتے ہیں۔ مگر آپ خود فیصلہ کریں جبکہ ہر ماہ کئی سو رسالہ بطور نمونہ اعزازی دفتر سے روانہ کیا جاتا ہے۔ تو کیسے ممکن ہے کہ آپکی خدمت میں پاسباں نہ حاضر کیا جائے گا۔ دفتر اپنی پوری ذمہ داری اور احتیاط سے پاسباں کو بک پوسٹ کرتا ہے پیکنگ اور پتہ لکھ جانے کے بعد تمام رسالہ رجسٹر سے مطابق کر لیا جاتا ہے۔ اسلئے میری مودبانہ گذارش ہے کہ اپنے حلقہ کے ڈاک منشی کو تاکید کر دیں اور اس پر سخت نگاہ رکھیں اسکے باوجود اگر رسالہ نہ دستیاب ہو سکے تو فوراً دفتر کو مطلع کر دیں۔ دوسرا رسالہ روانہ کر دیا جائیگا۔ مگر آپ اس بات پر اطمینان رکھیں کہ دفتر اپنی ذمہ داری میں آسانی نہیں کرتا۔ امید ہے کہ میری عرضداشت کو اپنے دل میں جگہ دیں گے۔

نوٹ:- آئندہ خط وکتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(مینجر)

فصلی تحائف

مجربات نادرہ

بیاض چشم:- (پھولا) دو تولہ پھٹکری۔ دس تولہ سفید گدھے کے پیشاب میں خوب سحق کر کے مثل سرمہ کر لیں صبح شام ایک ایک سلائی لگائیں۔

شب کوری:- (رتوندھی) صابون سنلائٹ یا اور کوئی کپڑا دھونے والا صابن لیکر بقدر ضرورت پانی میں حل کریں اور اسی عرق کے دو تین قطرے آنکھ میں ڈالیں

آشوب چشم:- کاشک دس گرین دو تولہ عرق گلاب میں حل کر کے آنکھ میں دو قطرے ڈالیں۔ پھٹکری بریاں چار رتی، سفیدہ کاشغری چار رتی ملا کر مثل سرمہ لگائیں۔

برائے اکثر امراض چشم:- نوشادر ایک تولہ، سفیدہ کاشغری ایک تولہ، سہاگہ بریاں ایک تولہ۔ پھٹکری بریاں ایک تولہ چاروں چیزوں کو مثل سرمہ تیار کر کے صبح وشام آنکھوں میں لگا دیں۔

مقوی البصارت:- صبح اٹھکر بستر ہی پر داہنی کلمہ والی انگلی دانتوں کی قطاروں پر پھیر کر لعاب دندان حاصل کریں۔ اور داہنی آنکھ میں لگا دیں۔ اور بائیں طرف کی قطار کی رطوبت اسی طرح بائیں آنکھ میں لگائیں۔ مگر جو حضرات پان تمباکو کھاتے ہیں وہ اس ترکیب سے محروم

برائے قبض دائمی:- دوران طعام میں بہت کم پانی نہ پینے کی عادت ڈالیں۔ کم از کم ڈیڑھ دو گھنٹہ کیسی بھی پیاس لگی ہو پانی نہ پئیں۔

ضروری اعلان:- مینجر مکتبہ پاسباں کے خطوط، منی آرڈر وغیرہ دیئے پتہ پار رسال فرمائیے۔

پتہ:- انوار احمد نظامی مینجر مکتبہ پاسباں ۲۲۵ الہ آباد ۳

"تاریخی افسانہ"

دور کا پہلا پھل

از رفیق ادارہ رئیس التحریر مولٰنا سید اکبر حسینی صاحب آرزو

یہ مشت کا خاک اور پیکر اربعہ عناصر انسان عجیب معجون مرکب ہے کہ نیکی کی طرف اس کا میلان طبع ہو جائے تو فرشتوں کے بھی سبقت لیجانے فیض رسانی پر آتر آئے تو دریا بھی آب آب ہو عقل و خرد کی جولانیاں دکھانے پر تلے تو زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ دل آزاری اور ظلم و جور کمر بستہ ہو تو درندے بھی پناہ مانگیں۔ نافرمانی اور بدکرداری کا بھوت سر پر سوار ہو جائے تو شیطان بھی اس کی حرکتوں سے شرمائے۔ اور حرص و ہوس کے دام زریں میں گرفتار ہو تو ساری دنیا سمیٹنے پر بھی قناعت نہ کرے۔

یہ جس قدر بلندی پر چڑھتا ہے سطحی موجودات چھوٹی اور بے مقدار نظر آتی ہیں اسی طرح دولت و عظمت اور طاقت و حکومت میں امتیاز حاصل ہوتے ہی اکثر انسان ہمچو من دیگرے نیست سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اسی منزل پر پہونچکر خدائی کے مدعی بھی ہوئے نبوت کا اعلان کرنے والے بھی۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

جب کمینوں کو ہے! للہ بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کی تل میں ہے دکھائی دیتا

ایسی ذہنیت کے لوگ طاقت گھمنڈ میں کمزوروں کی گردن مروڑنا تفریح طبع۔ اور دوسروں کے مال و متاع پر قابض ہونا عاقبت اندیشی اور فراست و تدبر قرار دیتے ہیں۔ اگر تہذیب و تمدن سے عاری قومیں بہیمانہ طرز عمل اختیار کریں اور درندوں کی طرح اوروں کا خون چوس کر پیٹ بھریں تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کو شائستگی کی ہوا نہیں لگی لیکن تہذیب گہواروں میں پرورش پانے والے اگر ظلم واستبداد کی بجلیاں گرا کر غریبوں کے خرمن ہستی کو جلا کر خاک کریں اور تدبر و سیاست سے نامزد کریں تو اس کو کیا کہینگے۔؟

اسی نظریہ کے موافق وہ سلطنت روم جس کی تہذیب مثال کے طور پر پیش کی جاتی تھی اس کا لشکر جرار سیلاب آفت کی طرح ملک گیری کی ہوس میں شام و عراق کی سرحدوں سے آگے بڑھنے کی کوشش میں تھا۔ اسی بلائے ناگہاں کی زد میں آکر ہزاروں پر فضا شہر برباد ہوئے۔ لہلہاتی ہوئی کھیتیاں تباہ ہوئیں خون کی ندیاں بہیں۔ انسانی سروتن سے چوگان کھیلنے والے ہزاروں کو تیغ کے گھاٹ اتار کر ظفرمندی و فتحیابی کے شادیانے بجانے اور جشن عشرت منعقد کرنے والے۔ شجاعت کے مدعی اور تہذیب و شائستگی کے دعویدار تھے۔

(۲)

زر پرست رومی گلزار موصل کے غنچۂ نو شگفتہ صہیبؓ رضی اللہ عنہ کو بیدردی کے ساتھ نخل تمنا سے جدا کر کے اپنے ساتھ روم لے گئے اور کچھ عرصے بعد جب اس گل خوبی کا حسن و جمال پورے شباب پر آیا۔ بازار روم کو زینت بخشی۔ خریداروں نے بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کا ثبوت پیش کیا۔

اس طرح یہ گل شگفتہ دامن گلچین سے نکل کر بنی کلب کے سردار قبیلہ کے گلے کا ہار ہوا۔ اور گلزار بطحی پہنچنے پر عبداللہ ابن الجدعان نے زر کثیر فدیہ میں دیکھکر رشتۂ غلامی سے علیحدہ کر کے نکہت خوش کرداری سے فضائے بسیط کو معطر کرنے کے لئے آزاد کر دیا

(۳)

یہ وہ مبارک و مسعود زمانہ تھا کہ آفتاب رسالت کی ضیا باریوں سے مکہ معظمہ مطلع انوار و منبع فیوض و برکات بنا ہوا تھا۔ صہیب رضی اللہ عنہ حضرت رسالتمآب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزوئے دیدار

میں کشاں کشاں چلے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں عمار بن یاسرؓ سے ملاقات ہوئی چونکہ وہ بھی اسی اشتیاق میں چلے تھے دونوں ایک ساتھ بارگاہ رسالت میں باریاب ہوئے اس وقت کلام مجید کی تلاوت کی جا رہی تھی۔ حاضرین اس کی اعجاز بیانی سے صد درجہ متاثر ہوتے تھے سنتے ہی ان دونوں کے گلشن ارماں میں تازہ بہار آگئی۔ مشرف بہ اسلام

ظلمت پسند پتنگوں کی طرح کفار مکہ اس شمع تجلی کو بجھانے میں کامیاب نہ ہوسکے تو بزعم اکثریت نونہالان اسلام کو کچلنے اور بارآور ہونے سے پہلے پامال کرنے کی کوشش کرنے لگے ان کی قساوت قلبی یہاں تک بڑھ گئی کہ جہاں کوئی بے یار مددگار دائرہ اسلام میں داخل ہوتا حق پرستی سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتے۔ اور ان کے کرب و اضطراب پر قہقہے لگاتے۔

صہیب رضی اللہ عنہ رومی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ غریب الوطن تھے۔ بیکس و بےبس تھے۔ انتہائی مظالم کا شکار ہے۔ انتہائی تکلیفوں میں بھی دامان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی گوارا نہ کی۔ کافر ظلم و ستم کی آندھیوں سے ایمان کے چراغوں کو بجھانے کی جتنی کوشش کرتے تھے یہ اور زیادہ روشن ہو جاتے تھے۔

(۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رونق افزائے مدینہ منورہ ہونے کے بعد اکثر و بیشتر مسلمان ناقابل برداشت مظالم سے نجات حاصل کرنے۔ کمال بے سر و سامانی کے عالم میں ہجرت کر کے حاضر خدمت ہو گئے تھے۔

صہیب رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کے ارادہ سے اپنا سامان اونٹوں پر لاد کر نکلنا ہی چاہتے تھے کہ کفار کی کثیر مسلح جماعت نے چو طرف سے گھیر لیا۔ اور صاف صاف کہدیا کہ کسی صورت مکہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں۔

صہیب رضی اللہ عنہ نے اس اعلان سے مرعوب و خائف ہونے کی بجائے نہایت جرأت کے ساتھ کہا۔ تم سب جانتے ہو کہ میں قادر انداز ہوں۔ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ جب تک میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے تم میں سے کسی کو قریب آنے نہ دوں گا۔ اور اگر آگے بڑھنے کی کوشش کی جائیگی۔ چن چن کر ماروں گا اور لاشوں کے ڈھیر لگاؤں گا۔ اور جب سارے تیر ختم ہو جائیں گے تو پھر شمشیر آبدار کو بے نیام کروں گا۔ اگر خوں ریزی گوارا نہیں تو مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے ارادوں میں کوئی مزاحم نہ ہو گا۔ پھر یہ سارا ساز و سامان اور گھر تمہاری نذر ہے۔

جب قریش نے وعدہ کیا کہ اگر ساز و سامان لیجانا نہیں چاہتے تو پھر تمکو اجازت ہے جہاں چاہے جاؤ کوئی مزاحم نہ ہو گا۔

صہیب رضی اللہ عنہ اس طرح سارا سامان بخوشی تمام متاع ایمان پر قربان کر کے عازم مدینہ منورہ ہوئے اس طرح مالک حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے مال و متاع قربان کیا تو آقائے بندہ نواز نے اپنے کلام بلاغت نظام میں بنظر قدر افزائی اس طرح تعریف فرمائی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

(۵)

رسول کریم علیہ التحیہ والتسلیم مسجد قبا کے صحن میں رونق افروز تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ خرمے تناول فرما رہے تھے۔ صہیب رضی اللہ عنہ ناخواندہ مہمان کی طرح اچانک داخل ہوئے اور بھوک کی شدت کی وجہ کچھ کہے سنے بغیر کھانے میں شریک ہو گئے اس وقت چونکہ ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ازراہ بہی خواہی خود منع کرنے میں دل آزاری کا اندیشہ تھا اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ حضور انور صلعم نے ارشاد فرمایا بحالت آشوب خرمے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئے ہیں۔ تو صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداک امی و ابی غلام یہ خرمے تندرست آنکھ سے کھا رہا ہے۔ آشوب والی آنکھ سے نہیں۔

اس حاضر جوابی سے حضور صلعم بھی متبسم ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہنس پڑے کھانے سے فارغ ہونے پر صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنی داستان سفر سنائی۔ بڑی دلچسپی سے سنتے رہے اور اظہار مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ابو یحییٰ۔ تمہاری تجارت

نہایت نفع بخش رہی۔ دولت دنیوی کے عوض متاع ایمان خریدنا عاقبت اندیشی اور عالی حوصلگی پر مبنی ہے۔ الحمد اللہ کہ یہ روم کا پہلا پھل ہے۔

(۶)

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنہائی میں بطور نصیحت فرمایا بھائی صہیب رضی اللہ عنہ مجھے تمہاری تین باتیں پسند نہیں۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ خدا کے لئے مجھے ان معائب سے آگاہ کیجئے تاکہ ان کی اصلاح کی کوشش کروں۔
عمر رضی اللہ عنہ۔ (۱) تم نے ایک برگزیدہ نبی کے نام سے کنیت رکھ لی۔ کہیں یہ گستاخی میں داخل نہ ہو۔
(۲) رومی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عربی کیوں ظاہر کرتے ہو
(۳) خیرات و صدقات میں اعتدال کو پیش نظر نہیں رکھتے۔
صہیب رضی اللہ عنہ نے۔ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ابو یحییٰ غلام کی کنیت نہیں بلکہ یہ سرور کائنات کا عطا کیا ہوا مقبول نام ہے جس کو تبرکاً استعمال کرنا اپنی سرخروی اور حصول نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ (۲) میرا اصلی وطن موصل ہے رومیوں نے زبردستی روم میں رکھا تھا اس لئے میں رومی نہیں عربی ہوں۔
(۳) لَا اِسْرَافَ فِی الْخَیْر پیش نظر ہے۔ اس لئے مال دولت جو امانت الٰہی ہے اس کے بندوں کی حاجت براری میں خرچ کرنا عین سخاوت سمجھتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے غلط فہمی کی معافی چاہی۔ اور بفرط خوشی دونو بغلگیر ہوئے۔

احترام نبوی

بقیہ اسوۂ حسنہ صفحہ ۲۴

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور کی تعظیم و توقیر کو ہر وقت اور ہر حال میں ملحوظ رکھتے یہانتک کہ جس مجلس میں حضور جلوہ افروز ہوتے صحابہ سر نیچا کئے ہوئے بے حس و حرکت بیٹھتے۔ کبھی بلند آواز سے گفتگو نہ کرتے۔ بلکہ نظر اٹھا کر چہرۂ اقدس کو دیکھنا بھی بے ادبی سمجھتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا مگر ادب احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں نے کبھی حضور کا روئے انور نظر بھر کر نہیں دیکھا۔

عروہ بن مسعود اہل مکہ کا سفیر بن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا جب صلحنامہ کی تکمیل کے بعد وہ واپس ہوا۔ اپنی قوم سے بیان کیا۔ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے جلیل القدر بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ مگر کسی فرمانروا کے اہل دربار کو اسقدر تعظیم و تکریم کرتے نہیں دیکھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وضو کا پانی تک زمین تک پہونچنے نہیں پاتا۔ ہاتھوں ہاتھ سب لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں۔ فرط ادب سے کوئی چار آنکھیں کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ بات کرتے ہیں تو نہایت عاجزی سے۔ اور اگر وہ حکم فرماتے ہیں تو ہر شخص تعمیل کے لئے سبقت کرتا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر حسب صراحت ذیل واجب ہے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیتے وقت۔ (۲) حضور کے ارشادات کا ذکر کرتے وقت (۳) حضور کے عادات و اطوار یا سنن بیان کرتے وقت (۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے وقت (۵) حالات و واقعات زندگی سنتے وقت (۶) حضور کی اولاد اور اہلبیت سے ملتے وقت۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک روز بوقت تدریس آپ دس بار اٹھکر کھڑے ہو گئے اور پھر بیٹھے۔ ایک چہیتے شاگرد نے جب خلاف معمول نشست و برخاست کی وجہ دریافت ۴۴

۴۴

کی تو فرمایا۔ جس وقت تمہیں پڑھانے میں مشغول تھا۔ ایک سید زادہ کھیلتا ہوا داخل ہو جاتا تھا۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اس کا ادب نہ کیا جائے۔ فی الحقیقت حضور کی اولاد کا احترام بھی احترام نبوی میں داخل ہے۔

وہ خدا

از:- رفیق ادارہ
مولانا عبدالمنان صاحب
اعظمی

وہ خدا
جس نے دانے کا سینہ چیرا
جس نے گٹھلی کا جگر چاک کیا
جس نے قطرے سے انسان بنایا
جس نے انسان سے قطرے کو وجود دیا
جو مردے کو زندگی کی رعنائی دیتا ہے
جو زندوں سے لباس ہستی چھین لیتا ہے
کیا یہ تمہارا معبود نہیں

تب تم

کہاں اوندھ رہے ہو ؟
کس وادی میں بھٹک رہے ہو ؟
وہم وگمان کے کن پتھروں سے سر پھوڑ رہے ہو ؟

(۲)

سپیدۂ صبح کی مسکراہٹ میں
جو ہر دن جد وجہد کا پیغام لاتی ہے
رات کی برہم زلفوں میں
جو قرار وسکون کی نقیب ہیں
چاند اور سورج کی منظم اور مربوط ضیائیں
جنکے دم سے گرمی حیات اور عیش کی تازگی ہے
ستاروں کے نورانی قافلے میں
جو اندھیرے اجالے خشکی اور تری میں لوگوں
کا راہنما ہے۔

علم والوں کے لئے اسی قسیم وخبیر قادر و
حکیم رب العالمین کی معرفت کی راہیں ہیں۔

پر وہ لوگ

جو دعویٰ علم کے باوجود ظن وتخمین کی وادی میں بھٹکتے ہیں
ادعائے ہمہ دانی کے باوصف قیاس آرائی ہی انکا مبلغ علم ہے
اور جو نت نئے فارمولے اور نظریے
تراشتے رہتے ہیں۔

انکے لئے ان میں

کوئی ہدایت نہیں !
کوئی روشنی نہیں !
وہ دن دوپہر میں بھی خود ساختہ اندھیرے میں
بھٹکتے رہیں گے۔

(۳)

موت وحیات کی منزلیں آواز دے رہی ہیں
تخلیق انسانی کے سربستہ راز بول رہے ہیں
اپنے خالق کے بارے میں
اپنے پالن ہار سے متعلق
پر اسے وہی سمجھ سکتے ہیں۔ جن پر فکر و دانش
کی راہیں واضح ہیں۔

اور وہ لوگ

جو ذی الشعوری کے باوجود ضمیر کی روشنی سے عاری ہیں
جنکے پاس روح کی کوئی تابانی نہیں۔

جنکے قلب کی قوتیں مرچکی ہیں۔
اور جو ہر چیز کو مادے کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں
وہ لوگ
اسے کیا سمجھ پائینگے؟
وہ ان آوازوں کو کیا سن سکیں گے؟
ان کے لئے تو کوئی بصیرت ہی نہیں؟

(۴)

سعید روحوں نے دیکھا

فضا سے ایک ہی پانی برستا ہے اور ساری
دھرتی لہلہا اٹھتی ہے۔ ہرے بھرے سنہرے
تناور درخت، حسین شگوفے، دل آویز خوشے
کھجور کے گابھے، گیہوں کی بالیاں، انگور کی
لڑیاں، تازہ بتازہ، نو بہ نو۔ رنگا رنگ
اور مختلف الاقسام۔ ایک پانی سے اتنے
عالم کی تخلیق۔؟
اور وہ خالق کائنات پر ایمان لے آئیں۔

پر وہ لوگ

جو مادہ پر ایمان لاچکے ہیں
جو ایٹمی توانائی کے پجاری ہیں
یا جو عوام کی طاقت ہی کی پرستش کرتے ہیں
وہ تو ـــــ خود ساختہ خداؤں کے دلدل میں
پہلے ہی گرفتار ہیں۔ وہ کیسے ایمان لاتے؟
وہ تو انکار کرتے ہی رہیں گے۔
اور شرک میں گرفتار ہی رہیں گے۔
بت کا شرک نہ سہی ـــــ مادہ کا
ستاروں کا شرک نہ سہی ـــــ ایٹمی توانائی کا
جنوں کا شرک نہ سہی ـــــ عوامی طاقت کا
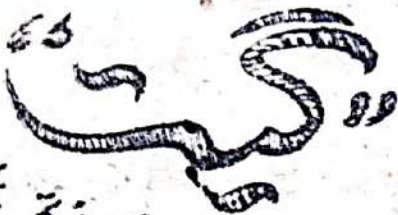
(سورۂ الانعام آیت ۹۴ تا ۹۹ سے ماخوذ)

گیت

جناب شاکر صاحب
میر غیاث چیکوکا

میں نے تجھے دیکھا ہے
مولیٰ تیرا جلوہ ہے

ہر ذرہ میں ہر شئے میں — ہر موج میں ہر لے میں
گنگا کی روانی میں — جمنا کی گہرائی میں
میں نے تجھے دیکھا ہے
مولیٰ تیرا جلوہ ہے

ان جھوٹے خداؤں میں — باطل کی اداؤں میں
تاروں کی شعاعوں میں — پرکیف گھٹاؤں میں
میں نے تجھے دیکھا ہے
مولیٰ تیرا جلوہ ہے

انداز میں بلبل کے — جلوؤں میں ہر اک گل کے
ہر اوس کے قطرے میں — ہر پیچ میں سنبل کے
میں نے تجھے دیکھا ہے
مولیٰ تیرا جلوہ ہے

ساحل کے نظاروں میں — طوفان کے دھاروں میں
پربت کے اشاروں میں — پت جھڑ میں بہاروں میں
میں نے تجھے دیکھا ہے
مولیٰ تیرا جلوہ ہے

شداد کی جنت میں — قارون کی دولت میں
مومن کی اطاعت میں — باغی کی بغاوت میں
میں نے تجھے دیکھا ہے
مولیٰ تیرا جلوہ ہے

جل پریوں کی محفل میں — رخسار کے ہر تل میں
گاتی ہوئی آنکھوں میں — روتے ہوئے ہر دل میں
میں نے تجھے دیکھا ہے
مولیٰ تیرا جلوہ ہے!!

February, 1955 Regd N... 1137

PASBAN MONTHLY

DEC. 1954

225, DAIRA SHAH AJMAL, ALLAHABAD- 3
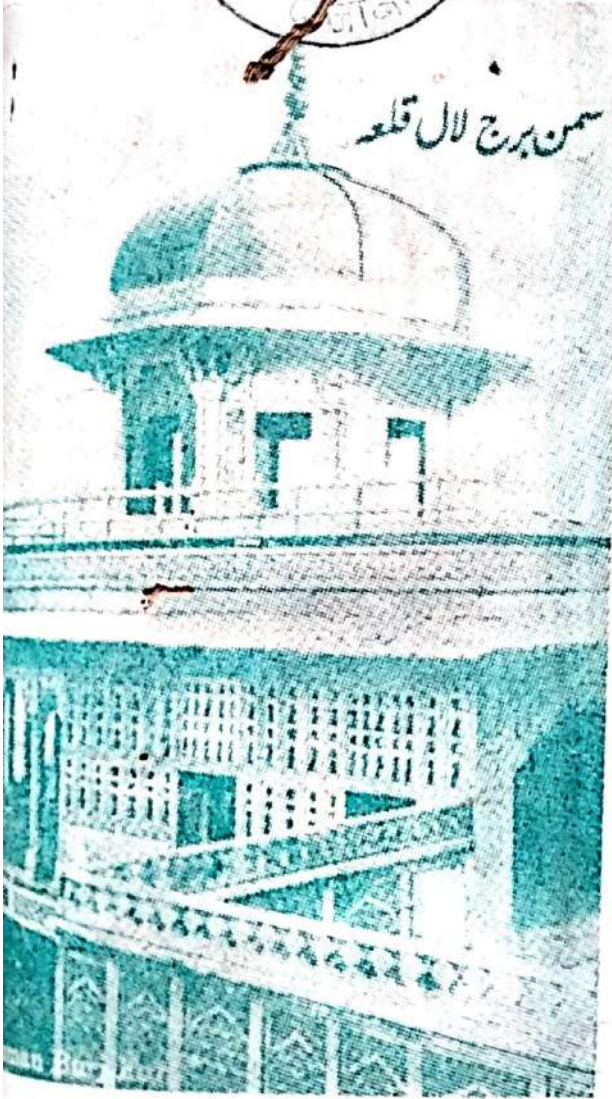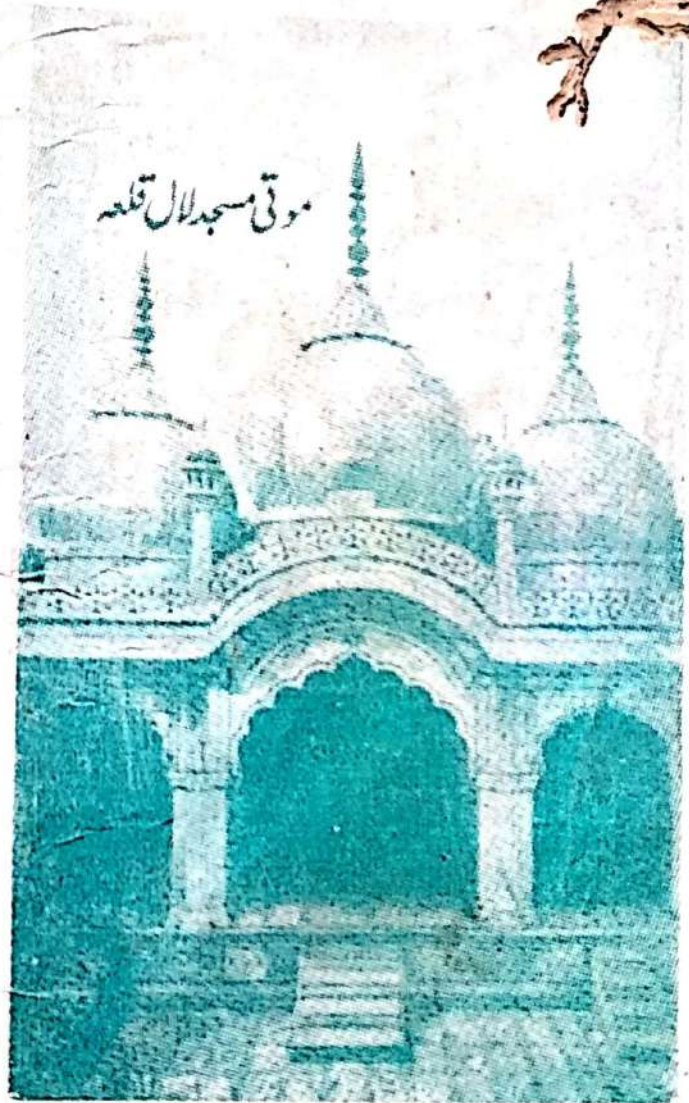
Only Cover Printed at HIND FINE ART PRESS. Kydgunj Allahabad.